www.muftiakhtarrazakhan.com
0092 303 2886671 /makhtarraza1011

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

دوسرے خلیفۂ اسلام

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

از

مؤرخ اسلام ڈاکٹر مفتی محمد عاصم اعظمی مدظلہ العالی

دار النقی

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن

www.muftiakhtarrazakhan.com

0092 303 2886671 /makhtarraza1011

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور خاندان

اسم گرامی عمر، کنیت ابو حفص، فاروق لقب، والد کا نام خطاب تھا۔ آپ مکہ کے معزز ترین خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ عمر ابن الخطاب ابن نفیل بن عبد العزیٰ ابن رباح بن عبد اللہ ابن قرط ابن رزاح ابن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک۔ حضرت عمر کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی سلسلۃ الذہب سے مل جاتا ہے۔

والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھیں۔ آپ کی ولادت عام فیل کے تیرہ سال بعد مکہ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۸۵)

عہدِ جاہلی میں حضرت عمر کا خاندان کسی مذہبی منصب پر فائز نہ تھا نہ مال و دولت میں ممتاز تھا ہاں بعض سماجی ذمہ داریوں کی وجہ سے ان کو اعزاز حاصل تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اہلِ مکہ کے مذہبی، سماجی، سیاسی اور ملکی امور و مسائل قریش کے نامور خانوادوں میں بٹے ہوئے تھے۔ حضرت عمر کے جد اعلیٰ عدی بن کعب عربوں کے باہمی مناقشات میں ثالث و فیصل مقرر کئے جاتے اور صیغہ سفارت کی سربراہی بھی ان کے ذمہ تھی جسے وہ اپنی غیر معمولی استعداد و صلاحیت سے انجام دیتے رہے عدی کے بعد یہ دونوں اہم منصب ان کے خاندان میں باقی رہے۔

حضرت عمر کے دادا نُفیل بن عبد العزیٰ جب ان موروثی مناصب پر فائز ہوئے تو انہیں بڑی قابلیت سے انجام دیا اور وہ معزز ترین عربوں کے نزاعی معاملات کے فیصل بنائے جاتے حضرت عبد المطلب اور حرب بن امیہ کے درمیان نزاع ہوئی تو انہوں نے نفیل ہی کو حکم بنایا نفیل کے دو بیٹے عمرو

اور خطاب تھے۔ عمرو کے بیٹے زید بڑے عالی مرتبہ اور فطرتِ سلیم کے مالک انسان تھے۔ ایامِ جاہلیت کی تاریک فضائیں جن چار افراد نے بُت پرستی اور رسومِ شرک کی مذمت کی اور اوثان پرستی ترک کر کے دینِ حنیف کی تلاش و جستجو میں رہے ان میں زید بن عمرو بھی تھے۔ زید بعثتِ نبوی سے پہلے شرک و بت پرستی کی برائی بیان کرتے اور دینِ ابراہیمی کی دعوت دیتے اور قریش کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے انہوں نے جب بُت پرستی ترک کر دی اور بُتوں کے نام کا ذبیحہ چھوڑ دیا تو اپنی قوم سے کہا۔

کیا اللہ آسمان سے پانی اس لئے برساتا ہے۔ زمین سے سبزہ اس لئے اُگاتا ہے اور جانوروں کو اس لئے پیدا فرماتا ہے کہ تم انہیں ان چراگاہوں میں چراؤ اور غیر اللہ کے لئے ذبح کردو خدا کی قسم اپنے سوا روئے زمین پر مجھے کوئی نظر نہیں آتا جو ابراہیم کے دین پر ہو۔ (الفاروق عمر صہ ۴۳)

حضرت عمر کے والد خطاب اپنی قوم میں معزز انسان تھے جو تند خوئی اور سخت مزاجی میں مشہور تھے حضرت عمر اپنے عہدِ خلافت میں جب ایک بار وادیٔ ضجنان سے گذرے تو فرمایا۔

مجھے وہ وقت یاد آگیا جب میں یہاں خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ سخت دل اور بے رحم کسی کو نہیں پایا۔

قدیم عرب میں اولاد کی کثرت پر فخر کیا جاتا تھا۔ اس لئے خطاب نے کثرتِ اولاد کے لئے متعدد شادیاں کی تھیں تاکہ اپنے حریف بنو عبد شمس کی افرادی کثرت کا مقابلہ کر سکیں جنہوں نے ان کو صفا والے آبائی مکان سے نکال دیا تھا۔

وکان الخطاب رجلاً ذکیا	خطاب ایک ذہین شخص تھے جو
موفور الاحترام فی قومہا	اپنی قوم میں نہایت احترام کی نگاہ سے
شجاعا بخوض المعارك على	دیکھے جاتے تھے وہ بہادر اور شجاع بھی

رأس بنی عدی فی جرأة وثبات جنان (الفاروق ج۱ ص۳۱)

تھے اور مختلف معرکوں میں ،بنو عدی کے جنگی سردار کی حیثیت سے جرأت وپامردی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

لیکن وہ خاندان جس میں عمر بن الخطاب جیسی شخصیت پیدا ہوئی اسے اپنے فخر و امتیاز کے لئے کسی اور سہارے کی کوئی حاجت نہیں۔

قبل اسلام

حضرت عمر کے صغر سنی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ جب انہوں نے شباب کی منزل میں قدم رکھا تو عام نوجوانان قریش میں لکھنا پڑھنا سیکھ کر اپنی ایک امتیازی شناخت قائم کی۔ شرفاءِ عرب کے مذاق کے مطابق علم الانساب اور شاعری سے متصف ہوئے۔ ورزش جسمانی میں مہارت پیدا کی۔ پہلوانی اور شہسواری میں انفرادی مقام حاصل کیا۔ عکاظ کے میلوں میں اپنی شہ زوری اور شہسواری کے کرشمے دکھا کر شہرت پیدا کی۔ قامت وجسامت میں کوئی نوجوان آپ کا ہمسر نہ تھا۔ رنگ سفید تھا جس پر سرخی غالب تھی جس کی وجہ سے نگاہیں آپ پر مرکوز ہو جایا کرتی تھیں قدرت نے کمال معنوی اور جمال ظاہری دونوں آپ کو عطا کیا تھا۔

معززین مکہ کی طرح کسب معاش کے لئے آپ نے پیشۂ تجارت اختیار کیا اور دور دراز علاقوں کے سفر کئے جس سے آپ کے تجربات ومشاہدات میں اضافہ ہوا۔ معاملہ فہمی اور بالغ نظری کے وصف نے جلا پائی جس کی بنیاد پر اہل مکہ نے سفارت اور تحکیم کا موروثی منصب آپ کو تفویض کیا۔ آپ اپنے آباء واجداد کی طرح نزاعی امور کے فیصلے فرماتے اور معتمد سفیر کی حیثیت سے سیاسی وملکی سفارت انجام دیتے۔ زبیر بن بکار کا بیان ہے۔

کان عمر من اشراف قریش والیه کانت السفارة فی الجاھلیة وذلك ان قریشا

عمر اشراف قریش سے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں سفارت کی ذمہ داری انہیں کو سونپی جاتی تھی اس لئے کہ جب قریش باہم

كانت اذا وقعت بينهم حرب بعثوه سفيرًا وان نافرهم منافر او فاخرهم مفاخر بعثوه منافرًا ومفاخرًا ورضوا به۔

جنگ ونزاع کرتے تو ان کو سفیر بنا کر بھیجتے تھے اگر کوئی فیصلہ چاہنے والا ان سے فیصلہ چاہتا تو فیصلہ کرتے اور اگر فخر کرنے والا ان پر فخر کرتا عمر کو فیصلہ کرنے والا بنا کر بھیجتے اور لوگ ان سے راضی ہوتے۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۴۳۸)

قومی اتحاد کا تحفظ

ایام جاہلیت میں حضرت عمر نے یمن، شام، روم و فارس کے تجارتی سفر کئے جہاں وہ امراء عرب سے ملے اور ان سے قومی مسائل پر گفتگو کا موقع ملا۔ ایام عرب اور علم الانساب کے علم نے ان کے اندر شغل تجارت میں اضافۂ کمال کی ہوس کے بجائے تہذیب نفس اور اکتساب علم کے جذبہ کو غالب کر دیا۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر انسان میں انتہائی خود اعتمادی اور عزت نفس کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

عہد جوانی میں ابن خطاب کے اندر خود اعتمادی اور عزت نفس کا وصف بدرجۂ اتم پیدا ہو چکا تھا۔ وہ قومی مسائل اور ان کے طریقۂ اصلاح پر غور و فکر فرماتے عزت نفس کے احساس نے ان کی رائے میں عصبیت پیدا کی پھر ان کے مزاج کی سختی اور جسم کی توانائی نے اس عصبیت کو تشدد کی حد تک پہونچا دیا وہ اپنی بات منوانے کے لئے زبان کی حدت کے ساتھ ساتھ بازو کی قوت سے بھی کام لیا کرتے تھے وہ صدیوں پرانے قومی تشخص اور مذہبی نظام فکر وعمل سے سرمو اپنا یا غیر کا انحراف برداشت نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ مکہ کے موحدین سے وہ ہمیشہ برسر پیکار رہتے تھے اور ان کو بالکل ختم کر دینا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ موحدین نے عرب کے قومی اتحاد کو توڑ دیا ہے۔ وہ اپنے قومی نظام کو کسی عنوان خطرے میں دیکھنا گوارہ نہ کرتے تھے جو دوسری قوموں کے مقابلہ میں انہیں قوت دیتا اور ان کے وجود کی حفاظت کرتا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ اگر اہلِ دانش موحدین کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو وہ قریش کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیں گے۔ حضرت عمر اور ان کے ساتھیوں کا تشدد ہی تھا جس نے قریش کی وحدت کو برقرار رکھا تھا اور اہلِ دانش کی حکمت ان کے خوف سے اپنی ذات تک محدود رہی۔

حضرت عمر موحدین کے خلاف سب سے زیادہ سخت و جری اور بے رحم تھے مزاج کی سختی اور غصہ کی تیزی نے ان کو حد درجہ تشدد پسند بنا دیا تھا۔ ان کے شباب نے رائے کے تعصب کو حد انتہا تک پہونچا دیا تھا۔ تارکین اصنام کے خلاف ان کی جنگ بڑی شدید ہوتی اور بتوں کی عیب جوئی کرنے والوں پر ان کا لوہا ہمیشہ تیز رہتا تھا۔ اس وقت جب حضرت عمر اور ان کے ساتھی تارکین اصنام اور اہل دانش موحدین کے خلاف نبرد آزما تھے اللہ کے حکم سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا اعلان فرمایا۔ اور قدیم مشرکانہ نظام جہل کے علی الرغم توحید کی صدائے سرمدی بلند فرمائی تو خورشید رسالت کی نورانی کرنیں اہل مکہ کے دلوں میں گھر کرنے لگیں۔ صدیوں کے جویائے حق روحیں پیغام صداقت سے ہم آغوش ہونے لگیں تو مکہ کے غالی بُت پرستوں نے بے دست و پا مسلمانوں کو نشانۂ ستم بنانا شروع کر دیا سرزمین مکہ میں اسلام دشمن عناصر کی ایک کثیر نفری جماعت پیدا ہو گئی جن میں عمر ابن خطاب کا نام صف اوّل کے مخالفین میں تھا ان کے نزدیک دعوت حق کی اشاعت کو خاموشی سے دیکھنے کا مطلب یہ تھا کہ قریش کا اتحاد تیلیوں کی طرح بکھر جائے گا۔ اگر متبعینِ اسلام کا انسداد نہ کیا گیا تو قریش کا قومی تشخص جاتا رہے گا اور وہ عربوں کے منھ کا نوالہ بن کر رہ جائیں گے۔ حضرت عمر مشرکانہ نظامِ فکر و عمل اور قومی تشخص کی حفاظت کے لئے ہر تشدد اور بے رحمی کو روا سمجھتے — جو مسلمان انہیں مل جاتا اس پر ظلم کے پہاڑ توڑتے اور راہِ حق سے برگشتہ کر کے پھر قومی دھارے میں شامل کرنے کی کوشش کرتے۔ عمر اور ان کے ساتھیوں

کا تشدد بڑھتا رہا اور اسلام کا دائرہ بھی وسیع ہوتا رہا کہ کے ضعفاء کے ساتھ ساتھ شرفاء نے بھی اسلام کو سینے سے لگانا شروع کیا۔

حضرت عمر دعوتِ حق کی تحریک کو روکنے کی تدبیریں سوچتے رہے بالآخر ان کے قومی تعصب نے یہ راہ دکھائی کہ بے چارے مسلمانوں پر تشدد کرنا عبث ہے چلو محمد عربی کا ہی خاتمہ کردو جس کی معجز بیانی نے اپنے آبائی مذہب سے پھر جانے والوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کر دیا جائے تو قریش اور اہل مکہ کی قومی و مذہبی وحدت دوبارہ قائم ہو سکتی ہے۔ ایک شخص کے قتل سے مکہ کے قومی نظام اور قریش کی اجتماعیت کو برقرار رہنے کا موقع مل جائے گا۔ ان خیالات نے ابن خطاب کے دل میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ اور انہوں نے چراغ رسالت گل کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ برہنہ تلوار لئے غیظ و غضب کے عالم میں فرودگاہ رسول دار ارقم کی طرف چل پڑے۔

قبولِ اسلام

راستے میں نُعیم ابن عبداللہ ملے۔ عمر کا غیظ و غضب دیکھ کر پوچھا کہاں جارہے ہو؟ — جواب دیا محمد کے پاس جارہا ہوں جس نے نیا دین جاری کیا ہے اور قریش کو پریشان کر رکھا ہے۔ آج میں اس کو قتل کرنے جارہا ہوں۔ نعیم نے کہا اے عمر خدا کی قسم تیرے نفس نے تجھے فریب دیا ہے تم محمد کو قتل کرو اور بنی عبد مناف تجھے زمین پر زندہ چھوڑ دیں گے — تم پہلے اپنے گھر کی خبر لو! تمہاری بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید ابن عمرو دونوں دولتِ ایمان سے بہرہ مند ہو چکے ہیں۔ عمر اس خبر سے چراغ پا ہو گئے اسی حال میں بہن کے گھر کا قصد کیا۔ اس وقت خباب ابن اُرت سعید اور فاطمہ کو سورۂ طٰہٰ کا ایک نوشتہ پڑھا رہے تھے۔ عمر کی آہٹ پاکر خباب چھپ گئے فاطمہ نے نوشتہ سورۂ طٰہٰ چھپا لیا۔ لیکن قرآن خوانی کی آواز عمر کے کان میں پہونچ چکی تھی۔ عمر نے پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ جو ابھی میں نے سنی دونوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ آپ نے کہا

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دونوں نے محمد کی اطاعت قبول کر لی ہے اور اس کے
دین میں داخل ہو گئے ہو۔ پھر اپنے بہنوئی کو مارنے لگے جب فاطمہ خاوند کو بچانے
کے لئے بڑھیں تو انہیں بھی ضرب شدید سے لہو لہان کر دیا۔ اسی حال میں بہن
نے کہا ہم دونوں نے دعوتِ حق قبول کر لی ہے جو بن آئے کرو عمر نے بہن کو لہو
لہان دیکھا تو رگِ اخوت بیدار ہوئی۔ ذرا نرم پڑے اور کہا تم جو کچھ پڑھ رہے
تھے مجھے بھی سناؤ فاطمہ نے سورۂ طٰہٰ کا نوشتہ عمر کے حوالے کیا۔ انہوں نے پڑھا۔

سبح للّٰہ ما فی السمٰوٰت والارض وھو العزیز الحکیم
اٰمنوا باللّٰہ و رسولہ۔ کلامِ الٰہی کا اعجاز۔ ایک ایک لفظ دل کی گہرائی
میں اترتا چلا گیا۔ قلب و نظر سے حجابات اٹھ گئے فرمایا "یہ کلام کتنا اچھا اور
کیسا بزرگ ہے"۔ خباب باہر آئے اور کہا اے عمر خدا کی قسم خدا نے اپنے
رسول کی دعا کے ساتھ تجھے مخصوص کیا یہ سعادت تیرے دامن میں آئی۔ عمر کی
زندگی میں انقلاب آ چکا تھا دل کی دنیا بدل چکی تھی تلوار حمائل کئے ہوئے دار
ارقم کی سمت روانہ ہوئے جہاں رسول اکرم اپنے احباب کے ساتھ تشریف
فرما تھے۔ دروازہ پر دستک دی ایک صحابیِ رسول نے عمر کو تلوار کے ساتھ
دیکھا تو کہا اے اللہ کے رسول عمر تلوار لے کر آ رہا ہے۔ حضرت حمزہ نے فرمایا
جاؤ اسے آنے کی اجازت دو اگر خیر کے ارادے سے آیا ہے تو بہتر ہے اور
شر کے ارادے سے آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے گی
(سیرت ابن ہشام) عمر اندر داخل ہوئے۔ حضور نے ان کی چادر کا کونہ پکڑ کر
کہا۔ اے عمر کس ارادے سے آئے ہو؟ — جواب دیا۔ میں اللہ اور اس کے
رسول اور خدا کی جانب سے نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لانے کے لئے
حاضر ہوا ہوں۔ فرطِ مسرت سے سرکار نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ صحابہ نے اس کی
تکرار کی عمر دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر دامن مصطفٰے سے وابستہ ہو گئے اسطرح
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔

اللھم اعز الاسلام باحب ھذین الرجلین الیک بابی جھل او عمر ابن الخطاب۔	یا اللہ ان دو آدمیوں ابوجہل یا عمر بن خطاب میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعہ اسلام کو غلبہ عطا فرما۔

(ترمذی ج ۲ باب مناقب)

یہ نبوت کا ساتواں سال تھا اور مسلمانوں کی تعداد چالیس پچاس سے زیادہ نہ تھی عمر کی وجہ سے اللہ نے اسلام کو قوت وشوکت بخشی۔ (ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۲۱)

حضرت عمر جس طرح قبول اسلام سے پہلے اپنے موقف پر سخت تھے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی وہ اس سے کہیں زیادہ جاہلی نظام فکر وعمل کے مخالف اور دین حق کے حامی وناصر بن گئے تھے عمر سے قبل لوگ اپنے ایمان واسلام کو چھپایا کرتے تھے لیکن عمر کی ذات میں حق پرستی وعدل کا وہ عنصر تھا جس نے انہیں قبول حق کی تشہیر میں ذرا بھی متردد نہ کیا وہ مکہ کے ایک شخص جمیل بن معمر جمحی کے پاس گئے اور کہا تمہیں معلوم ہے میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میں محمد کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔ جمیل نے کوئی جواب نہ دیا اور چادر گھسیٹتا ہوا باب حرم پر پہونچا اور چلا چلا کر کہنے لگا۔ اے گروہ قریش (قریش جو اس وقت کعبہ کے گرد جمع تھے اس کی طرف متوجہ ہوئے) تم کو پتہ ہے عمر بے دین ہو گیا ہے۔ فوراً حضرت عمر نے کہا یہ بکواس ہے میں تو اسلام لایا ہوں اور شہادت دیتا ہوں لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ۔ عمر کی زبان سے یہ کلمہ سنتے ہی قریش بپھر گئے اور عمر سے دست وگریبان ہو گئے۔ حضرت عمر نے فرمایا تمہارا جو جی چاہے کر لو میں خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں اگر ہم تین سو کی تعداد میں ہوتے تو یا سب کچھ تم سے لے لیتے یا سب کچھ تمہارے لئے چھوڑ دیتے۔ اسی اثناء میں ایک معتمد ومعزز قریش عاص بن وائل سہمی نے ان کے پاس آکر پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا عمر بے دین ہو گیا ہے۔ بوڑھے نے کہا تو کیا ہوا ایک شخص نے جو چاہا اپنے لئے کر لیا تم سے کیا مطلب؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بنو عدی

بن کعب اپنے آدمی کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دیں گے۔ اس کے پاس سے ہٹ جاؤ قریش کا مشتعل ہجوم حضرت عمر کو چھوڑ کر الگ ہو گیا۔

عمر کی جرات ایمانی اسلام و ایمان کو پوشیدہ رکھنا پسند نہ کرتی تھی چنانچہ آپ نے کئی بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا ہم زندگی اور موت میں حق پر نہیں ہیں؟ رسول اکرم نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم دنیا و آخرت میں حق پر ہو۔ حضرت عمر نے کہا پھر دین حق کا پوشیدہ رکھنا کیوں؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو مبعوث کیا ہم ضرور کھل کر سامنے آئیں گے، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی دو صفیں بنائیں ایک صف میں حضرت عمر اور دوسری میں حضرت حمزہ آگے آگے چل رہے تھے۔ یہ نرغۂ اعداء میں شوکت اسلام کے اظہار کا پہلا دن تھا۔ پرستاران توحید حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور قریش دم بخود ہو کر یہ منظر دیکھتے رہ گئے۔ مسلمانوں کی یہ جرات ان کے لئے ناقابل برداشت تھی مگر قریش کا کوئی شخص ان صفوں کے قریب آنے کی ہمت نہ کر سکا جن میں عمر اور حمزہ تھے۔

حضرت عمر نے اپنے اسلام کا اعلان کر کے اسلام دشمن طاقتوں کو نبرد آزمائی کا چیلنج دے دیا تھا تاکہ جو بگڑنا چاہے بگڑ لے اور لڑنا چاہے لڑ لے۔ جو لوگ کعبہ کے گرد ٹولیاں بنائے بیٹھے ہیں وہ مارنے، مرنے کے لئے تیار ہو جائیں جب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کعبہ میں مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے کی قسم کھائی اور یہ قسم اس وقت کھائی جب مسلمان مکہ کے آس پاس کی وادیوں اور گھروں میں چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت عمر اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک اپنے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے حرم کعبہ میں نماز پڑھنے کے وہ تمام حقوق حاصل نہ کر لئے جو اللہ کے دشمنوں کو اللہ کے گھر پر حاصل تھے۔ مشرکین مکہ کے خلاف اس جہاد میں حضرت حمزہ بن مطلب ان کے ساتھ برابر کے شریک رہے اور اسلام

کے ان دونوں شیدائیوں اور مسلمانوں کی اس جرأت کا یہ اثر ہوا کہ مکہ کے وہ لوگ جو اسلام کی صداقت کے معترف تھے مگر قریش کے خوف سے اسلام کی ابدی سعادت کو سینے سے لگانے میں تامل کر رہے تھے ان کے دلوں سے قریش کے تشدد کا رعب ختم ہو گیا اور وہ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے لگے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے۔

"عمر کا اسلام ہماری فتح، ان کی ہجرت ہماری کامیابی اور ان کی امارت خدا کی رحمت تھی جب تک عمر اسلام نہیں لائے تھے ہم کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن وہ مسلمان ہوئے تو لڑ بھڑ کر قریش کو مجبور کر دیا کہ مسلمانوں کو کعبہ میں نماز پڑھنے سے نہ روکیں۔

ہجرت حضرت عمر غیرت و حمیت کے ساتھ اللہ کے دین میں داخل ہوئے تھے انہوں نے دین حق کی اشاعت میں کفار قریش کی پرواہ کئے بغیر سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ اب مسلمانوں نے اعداء اسلام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مشرکین مکہ کی زبان درازیوں کا جواب دینا شروع کر دیا۔ اور دعوت محمدی عام ہونے لگی۔ قریش اس نئی صورت حال سے گھبرا گئے اور باہمی مشورہ کے بعد ان کے مختلف قبائل نے ایک عہد نامہ مرتب کر کے صحن کعبہ میں آویزاں کر دیا۔ جس کی رو سے ان کے اور محمد بنو ہاشم کے درمیان قرابت و تجارت کا کوئی رشتہ باقی نہ رہا۔ اس عہد نامہ نے مسلمانوں کا سوشل بائی کاٹ کر دیا تاہم راہ حق کے مسافر صعوبتوں اور دشواریوں کے باوجود آگے بڑھتے رہے۔

کفار کے مظالم تیز ہو گئے۔ رسول اکرم کو جادوگر، کاہن اور شاعر و مجنون مشہور کیا گیا۔ آپ کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات مشتعل کئے گئے۔ ابو لہب کی بیوی آپ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتی اور امیہ ابن خلف مذاق اڑاتا۔ حضرت عمر کے قبول اسلام سے لے کر مدینہ کی ہجرت تک کا زمانہ مسلمانوں کے لئے انتہائی نازک تھا اس دور میں مظالم کی یلغار میں حضرت عمر مستحکم چٹان بنے ہوئے تھے اور جب

کبھی ممکن ہوتا اپنی فطری جرارت و شجاعت کو بروئے کار لاکر رسول اکرم اور اپنے مسلمان بھائیوں کی حمایت و مدافعت میں سب سے زیادہ جرارت وہمت کا ثبوت دیتے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نامساعد حالات میں مؤثر اور دل نشیں اسلوب کلام سے لوگوں کو حق کی دعوت دی تھی۔ شدائد کے مقابلے میں صبر و تحمل پر اعتماد کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے کفار کے مقابلے میں اپنی قوت و طاقت کا استعمال نہ کیا۔ جب مظالم نقطۂ عروج پر پہونچ گئے تو ہجرت مدینہ کا اذن ملا۔ اصحاب رسول نے مدینہ کی جانب ہجرت کی انہیں میں حضرت عمر بھی تھے۔ آپ بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ پہونچے۔ مقام قبا میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے ہاں قیام فرمایا۔ وہیں آپ کے اہل وعیال بھی آ گئے۔ جب رسول اکرم اور صدیق اکبر قبا پہونچے تو ان کا استقبال کرنے والوں میں حضرت عمر بھی شامل تھے۔

اقامت مدینہ

مسجد نبوی اور کاشانۂ نبوی کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اصحاب کے ساتھ کام کیا۔ مدینہ کی ہجرت اسلام اور مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئے دور اور ایک نئی سیاست کی ابتدا تھی مہاجرین مکہ انصارِ مدینہ سے مل گئے اس اجتماع نے مسلمانوں کی آواز بلند کر دی اور ان کی تحریک دین توانا و مستحکم ہو گئی۔

مدینہ میں مسلمانوں کو جو اقتدار حاصل ہو گیا تھا اس نے حضرت عمر کے لئے ایسے بہت سے راستے کھول دئے جو کہ مسدود تھے۔ وہ ایک صاحب نظم اور ایک صاحب رائے انسان تھے۔ قوت و شجاعت میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ یہاں آکر حضرت عمر کی وہ ساری صلاحیتیں چمکیں اور ان کے استعمال کا پورا پورا موقع ملا۔ دین حق کی تبلیغ و اشاعت۔ سلطنت اسلامی کی تاسیس حربی و عسکری تنظیم کے مسائل درپیش تھے۔ حضرت عمر ان تمام معاملات میں آگے آگے رہے۔ وفات رسول تک کوئی ایسا اہم مسئلہ یا مہم نہیں جس میں آپ نے ایک سچے شیدائی ہونے

کی حیثیت سے حصّہ نہ لیا ہو۔ جب کفار قریش سے معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر معرکہ میں جان کی بازی لگا کر دادِ شجاعت دی ۔

غزوۂ بدر ۲ھ میں بدر کا معرکہ پیش آیا تو آپ رائے، مشورہ، جاں بازی و استقلال کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے۔ دین کے معاملہ میں رشتہ و قرابت کو نظر انداز کر کے آپ نے اپنے سگے ماموں عاص ابن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا جو کفار کی طرف سے جنگ کر رہا تھا۔ اس غزوہ میں فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ ستّر قیدی گرفتار ہوئے جن میں اکثر اشرافِ قریش سے تھے۔ اسیرانِ جنگ کے بارے میں سرکار نے رائے طلب کی تو حضرت ابوبکر نے کہا یہ قیدی اپنے ہی بھائی اور قرابت دار ہیں اس لئے ان پر احسان کیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے فدیہ کی رقم سے مسلمانوں کو قوت بھی حاصل ہوگی۔ لیکن حضرت عمر نے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کے معاملہ میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں اس لئے ان تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ انہوں نے آپ کو جھٹلایا آپ سے لڑے اور آپ کو مکہ سے نکال دیا ان کی گردنیں مار دیجئے یہ گمراہی کے سردار اور کفر کے امام ہیں۔ (الفاروق عمر ص ۲۷)

اس مسئلہ میں مسلمانوں سے مشورہ کے بعد سرکار نے ابوبکر صدیق کی رائے کو پسند کیا اور فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ لیکن وحی الٰہی کا نزول ہوا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

ماکان لنبیٍ ان یکون له اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض ط تریدون عرض الدنیا واللّٰه یرید الآخرۃ واللّٰه عزیزٌ حکیمٌ	نبی کو مناسب نہیں کہ ان کے پاس قیدی رہیں جب تک ملک میں خوب قتل نہ کریں تم لوگ تو دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

(سورۂ انفال آیت ۶۷)

اسیرانِ بدر کے بارے میں حضرت عمر کی رائے نے ان کی الہامی شخصیت ہونے

کا ثبوت فراہم کر دیا اور اسیرانِ بدر کے سلسلے میں آپ کی رائے کی تصدیق کر دی جس سے بارگاہِ نبوی میں مزید تقرب و اعتبار حاصل ہو گیا۔

غزوہ احد شوال ۳ھ میں جب احد کا معرکہ ہوا اور رسول اکرم کی ہدایات پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو جیتی ہوئی جنگ ہارنی پڑی لشکرِ اسلام میں شدید افراتفری کا ماحول پیدا ہو گیا۔ رسول اکرم کی شہادت کی غلط خبر سُن کر اکثر لوگوں نے مدینہ کا رخ کیا۔ کچھ نے بے تحاشا لڑنا شروع کر دیا۔ اور کچھ لوگ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے۔ حضرت عمر انہیں لوگوں میں تھے۔ لیکن جب انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کا علم ہوا تو سربکف ہو کر حضور کے گرد ہالہ بنانے والوں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ جب آں حضور اپنے تیس فدائیوں کے ساتھ کوہ احد پر تشریف لے گئے تو خالد ابن ولید مشرکین کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھے۔ سرکار نے فرمایا۔ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمر قلت تعداد کے باوجود چند مہاجرین و انصار کو لے کر خالد کی طرف بڑھے۔ خوب داد شجاعت دی اور مشرکین کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

ابوسفیان نے درہ کے قریب پہونچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ہیں؟ حضور نے جواب نہ دینے کا اشارہ فرمایا ابوسفیان نے کہا ابوبکر و عمر اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ جب کسی نے جواب نہ دیا تو وہ بولا ضرور یہ لوگ مارے گئے حضرت عمر ضبط نہ کر سکے اور پکار کر کہا۔ اے دشمنِ خدا ہم سب زندہ ہیں ابوسفیان نے کہا اعلُ ہبل۔ اے ہبل بلند ہو۔ رسول اکرم نے فرمایا اے عمر جواب دو أللہ اعلیٰ وّاجل۔ خدا بلند و برتر ہے۔

دینِ حق اس مردِ دانا کی روح میں رچ بس گیا تھا اس لئے فکر و عمل کے میدان میں اس کا کردار دینِ حق کی سربلندی اور اس کے اعزاز میں اضافہ کرتا تھا وہ دینِ حق اور رسول برحق کے بارے میں معمولی جسارت کو بھی گوارہ نہ کر سکتے تھے۔ وہ دین کی نصرت کو اپنی ذات پر مقدم سمجھتے تھے۔ مخالفین کی یلغار اور دشمنوں کا سخت تیور، ان کو گفتارِ حق سے باز نہ رکھ سکتا تھا۔

غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے بعد ایک مہاجر اور انصاری کا پانی کے معاملہ میں ٹکراؤ ہوگیا بات یہاں تک بڑھی کہ مہاجرین و انصار کا مجمع اکٹھا ہوگیا اس وقت عبداللہ ابن اُبی رئیس المنافقین نے حاضرین سے کہا۔ ہمارے شہر میں مہاجرین کی اکثریت ہو گئی واللہ ہمارا ان کا معاملہ بالکل ایسا ہی ہے جس کے بارے میں پہلوں نے کہا" اپنے کتے کو موٹا کروگے تو وہ تمہاری ہی ہڈیاں چبائے گا۔ بخدا جب ہم مدینہ واپس ہوں گے تو باعزت گروہ ذلیلوں کو ضرور نکال کر رہے گا"، یہ بدکلامی حضور کے سمع مبارک تک پہونچی حضرت عمر حاضر بارگاہ تھے۔ جذبۂ ایمانی نے انہیں غصہ سے بے قابو کر دیا کہا یا رسول اللہ عباد ابن بشر کو حکم دیجئے کہ وہ اس کی گردن اڑا دے۔ سرکار نے فرمایا! عمر! اس وقت کیا ہوگا جب لوگ کہیں گے" محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں"۔

جب عبداللہ ابن اُبی مرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھانی چاہی۔ لیکن حضرت عمر کھڑے ہوئے اور اسلام سے اس کے بغض اور عناد کا ذکر کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

استغفرلهم اولا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم ○	اے رسول ان کے لئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستّر بار بھی ان کے لئے مغفرت چاہوگے تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں نہ بخشے گا۔

عزت نفس اور خود اعتمادی کے اظہار سے وہ کبھی باز نہ رہے۔ اپنی رائے پر انہیں کافی اعتماد تھا اور اس کی تائید میں ایسی زبردست دلیلیں پیش کرتے کہ اس خصوص میں کوئی مسلمان ان کی برابری نہ کر سکتا تھا۔

نبی رحمت نے مسکرا کر فرمایا اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ ستّر بار سے زیادہ مغفرت چاہنے پر اس کی بخشش ہوجائے گی تو میں اس سے زیادہ اس کے لئے مغفرت چاہوں گا۔ پھر آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ولا تصل على احد منهم	ان میں سے اگر کوئی مرجائے تو کبھی

مــات ابداً ولاتقم علیٰ قبرہ ٥ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔

غزوۂ خندق

۵ھ میں غزوۂ احزاب میں جب عرب کی تمام اسلام دشمن طاقتیں مجتمع ہوئیں اور سیلاب بلاہن کر مدینہ پہونچیں تو حضرت سلمان فارسی کے مشورہ پر لمبی اور گہری خندق کھود کر دفاعی جنگ کا اہتمام کیا گیا اس موقع پر بھی حضرت عمر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً خندق پار کرنے والے مشرکین سے جنگ بھی کی بالآخر مسلمانوں کے استقلال تدبیر اور قدرتی اسباب نے کفار کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا اور وہ محاصرہ اٹھا کر بھاگے۔

صلح حدیبیہ

۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لوگوں کو ہتھیار ساتھ رکھنے سے منع کر دیا تھا کہ کفار مکہ کو جنگ کا گمان نہ ہو۔ ذوالحلیفہ پہونچ کر حضرت عمر کو خیال آیا کہ دشمنوں کے علاقے میں غیر مسلح ہو کر جانا خطرہ سے خالی نہیں چنانچہ آپ کے مشورہ پر رسول اکرم نے مدینہ سے اسلحے منگوائے۔

مقام حدیبیہ پر پہونچے تو کفار مکہ نے روک لیا اور کسی قیمت پر داخل مکہ ہو کر عمرہ ادا کرنے کی اجازت نہ دی۔ رسول اکرم چوں کہ جنگ کا ارادہ نہ رکھتے تھے اس لئے کفار کی جانب سے پیش کردہ شرائط پر صلح ہونا طے پائی۔ چوں کہ یہ دفعات مسلمانوں کی کمزوری اور ان کی ہزیمت کی طرف اشارہ کر رہے تھے اس لئے حضرت عمر مضطرب ہو کر حضرت ابو بکر صدیق کے پاس گئے اور کہا۔ اے ابو بکر! کیا حضور رسول خدا نہیں ہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا مکہ والے مشرک نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر نے کہا کیوں نہیں تو عمر نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے دین میں کمزوری اختیار کریں۔ حضرت صدیق اکبر نے کہا اے عمر! میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک۔ حضور خدا کے رسول ہیں جو کچھ حضور کریں تم اسے بہتر جانو۔ پھر حضرت عمر بارگاہ رسالت

میں حاضر ہوئے اور شرائط صلح پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار فرمایا۔ سرکار نے فرمایا "میں خدا کا بندہ اس کا رسول ہوں میں اس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا اور نہ وہ مجھ کو برباد اور ضائع کرے گا" حضرت عمر کو اطمینان خاطر حاصل ہوا اور اپنی گفتگو پر ندامت ہوئی۔ اور کفارہ میں کچھ خیرات کی، نمازیں پڑھیں۔ معاہدۂ صلح تحریر کیا گیا تو حضرت عمر نے بھی اپنا دستخط ثبت کیا۔ مدینہ کی جانب مراجعت ہوئی تو اثنائے راہ میں سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ نازل ہوئی حضور نے حضرت عمر کو بلا کر سنایا اور فرمایا آج ایسی سورہ نازل ہوئی جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۹)

غزوۂ خیبر

۷ھ میں خیبر پر لشکر کشی ہوئی جہاں کے قلعے بڑے مستحکم تھے حضرت عمر کو بھی علم سرداری عطا ہوا۔ مگر فتح حضرت علی کے ہاتھوں مقدر ہو چکی تھی۔ اس لئے سالاری کا علم حضرت علی کو مرحمت کیا گیا۔

فتح مکہ

۸ھ میں جب کفار کی جانب سے صلح حدیبیہ کے شرائط توڑ دیئے گئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار غازیان اسلام کا لشکر لے کر مکہ کی جانب بڑھے اور بلا حرب وضرب فتح حاصل ہوئی۔ اسلامی لشکر تزک و احتشام کے ساتھ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوا۔ تطہیر کعبہ کے بعد سرکار نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ مجرموں کی جان بخشی کی گئی اور کوہ صفا پر آپ تشریف لے گئے جہاں جوق در جوق لوگ آتے اور بیعت کرتے جاتے۔ جب عورتیں بیعت کے لئے آئیں تو سرکار نے حضرت عمر کو اُن سے بیعت لینے کے لئے مقرر فرمایا چناں چہ بے شمار عورتوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کیں۔ فتح مکہ کے بعد غزوۂ حُنین میں حضرت عمر نے بڑی پامردی اور شجاعت کے ساتھ شرکت کی۔

۹ھ میں جب قیصر روم کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبر گرم ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا۔ جنگی اخراجات کے لئے سرمایہ کی فراہمی کا اعلان کیا گیا۔ اس موقع پر حضرت عمر نے اپنی ساری دولت کا

دو حصہ کرکے ایک حصہ ایک خطیر رقم کی صورت میں بارگاہ نبوت میں حاضر کر دیا۔

وفات رسول

جب رسول اکرم نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی تو اس عظیم سانحہ نے حضرت عمر کے ہوش و حواس گم کر دیئے۔ شعور کا دامن ہاتھ سے جاتا رہا اور وہ دیوانوں کی طرح اعلان کرنے لگے "جو شخص یہ کہے گا حضور نے وفات پائی میں اسے قتل کر ڈالوں گا۔" حضرت عمر کی یہ حالت رسول گرامی سے حد درجہ عشق و ارادت کی وجہ سے تھی اور وہ ہر موقع پر اپنے جذبات کے اظہار میں صاف گو اور سخت واقع ہوئے تھے۔ مگر جب حضرت صدیق اکبر نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر فرمایا۔

جو شخص محمد کو پوجتا تھا وہ سمجھ لے کہ محمد نے وفات پائی۔ لیکن جو کوئی اللہ کو معبود مانتا تھا وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔ اور یہ آیت پڑھی۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل فإن مات أو قتل انقلبتم على أعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزى الله الشاكرين۔	اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید کر دئے جائیں تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے؟ اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا وہ خدا کو کچھ بھی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ اور اللہ شکر گذاروں کو عنقریب جزا دے گا۔
(آل عمران آیت ۱۴۴)	

یہ آیت سنتے ہی حضرت عمر زمین پر گر پڑے۔ جب وہ ہوش میں آئے تو ان کا شعور بیدار ہوا اور انہوں نے اس نازک موقع پر اپنے فکر و عمل کے ذریعہ اسلام کو ہر طرح کے خطرے سے محفوظ رکھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں جب مسئلہ خلافت پر انصار و مہاجرین کے درمیان سخت نزاعی کشمکش پیدا ہو چکی تھی۔ اور امت مسلمہ تقسیم کے حدود تک پہونچ گئی تھی تو حضرت عمر نے بڑی بے باکی اور تدبر سے حالات پر قابو پانے کی کوشش کی اور آخر میں حضرت ابو بکر کے

ہاتھ پر بیعت کر کے مسئلہ خلافت میں انصار و مہاجرین کی نزاع کا خاتمہ کر دیا۔

عہدِ صدّیقی وفات رسول کے بعد یہ حضرت عمر کا پہلا موقف تھا جس سے ان کی دُور اندیشی، سلامت نظر، حسن سیاست اور قائدانہ صلاحیتیں جھلکتی تھیں۔ اور ظاہر ہوتا تھا کہ اپنی بے غرضی اور تمام تر توجہ جماعت کی بھلائی اور اس کے حسن نظام پر مرکوز رکھنے کے باوجود صرف وہی اس ابھرتی ہوئی اسلامی سلطنت کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ پورے دورِ صدیقی میں ایک لائق، ہوش مند، معاملہ فہم، صائب الرائے وزیر کی طرح حضرت ابوبکر کی رفاقت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ حضرت ابوبکر کو بھی آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ ہر معاملہ میں آپ کے مشورہ کو خاص اہمیت دیتے تھے اگرچہ بعض موقعوں پر دونوں بزرگوں کے درمیان رائے کا اختلاف بھی ہوا۔ حضرت عمر ہمیشہ حضرت ابوبکر کی دوستی و رفاقت میں وفادار رہے۔ انہیں مشورہ دے کر اپنا فرض ادا کرتے اور جن احکام کا نفاذ ان کو سونپا جاتا تھا پورے خلوص اور انتہائی ذمہ داری کے ساتھ اسے بجالاتے اس طرح صدیق اکبر بھی ان پر مکمل اعتماد کرتے رہے کبھی ان کے اعتماد میں کمزوری پیدا نہ ہوئی۔

یہ دلی اخلاص اور قومی اعتماد اسلامی حکومت کی بنیاد اور اسکی طاقت و قوت کا سرچشمہ تھا۔ جس نے اسلامی حکومت کو عظمت و قوت بخشی اور ان دونوں بزرگوں کا نام تاریخ کے صفحات پر امانت اور قوت کا سرمدی نشان بن گیا۔

حضرت ابوبکر مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی کی امید نہ رہی تو اپنے بعد حکومت اسلامی کی سربراہی کا مسئلہ بڑی شدت کے ساتھ انکے سامنے آیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے معاملہ نے انہیں اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنے بعد اس اہم مسئلہ کا تصفیہ خود کر دیں۔ چناں چہ انہوں نے حضرت عمر کو جانشینی کے لئے منتخب فرمایا۔ اور اس بات پر اہل الرائے صحابہ سے تائید حاصل کر لی۔ حضرت عمر کے نام وثیقۂ خلافت تحریر کرایا خود مجمع عام میں خلافت عمر کا اعلان فرمایا۔ اور کہا۔

خدا کی قسم میں نے غور و فکر کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا اور اپنے کسی قرابت دار کو یہ منصب نہیں دیا۔ میں عمر ابن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں میرا کہا سنو اور مانو۔ (طبری ج ۲ صفحہ ۶۱۸)

لوگوں نے کہا ہم نے سُنا اور مانا۔۔۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور کہا اے اللہ میں نے یہ انتخاب مسلمانوں کی بہتری کے لئے کیا ہے اور اس اندیشہ سے کہ ان میں فساد نہ ہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے۔ میں نے خود بڑے غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی ہے۔ میں نے عمدہ اور قوی شخص کو ولی عہد بنایا ہے۔ جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے۔ (الفاروق عمر صفحہ ۱۰۱)

بیعت خلافت

حضرت ابوبکر نے ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں دار فانی کو الوداع کہا تو خلیفۂ رسول کے منتخب جانشین حضرت عمر کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کر لی۔ بیعت عام کے بعد حضرت عمر منبر پر کھڑے ہوئے اور خلافت کا جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔

انما مثل العرب مثل جمل أُلف اتبع قائده فلينظر قائده حيث يقول و امّا أنا فورب الكعبة لاحملنهم على الطريق۔ (طبری ج ۲ صفحہ ۶۲۲)

عرب کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہو۔ اس کے رہنما کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ وہ اس کو کس طرح لے جا رہا ہے۔ میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم کو راہ مستقیم پر لے چلوں گا۔

محمد حسین ہیکل نے خطبۂ خلافت کو اس طرح تحریر کیا ہے۔

ايها الناس ما أنا إلا رجل منكم ولا انى كرهت ان ارد

لوگو! میں تمہیں میں سے ایک انسان ہوں اگر مجھے خلیفۂ رسول اللہ کی حکم عدولی گوارہ

امرخلیفۃ رسول اللہ ما القبلت امارکم۔ ہوسکتی تو میں یہ ذمہ داری ہرگز قبول نہ کرتا۔
سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا۔
اللّٰھم غلیظ فلینی۔ اللّٰھم انی ضعیف فقونی۔ اللّٰھم انی بخیل فسخی۔ (الفاروق عمر ص۹۳)

اے اللہ سخت ہوں مجھے نرم کر۔ میں کمزور ہوں مجھے قوت دے۔ میں بخیل ہوں مجھے سخی بنا۔ . . . تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا۔
اللہ نے میرے دو رفقاء کے بعد مجھے تم میں باقی چھوڑ کر تمہیں اور تمہارے ساتھ مجھے آزمایا۔ خدا کی قسم تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا میرے سوا کوئی اسے طے نہ کرے گا اور جو میری نگاہوں سے دور ہوگا اس میں بھی تاحد امکان کفایت و امانت کو ہاتھ سے جانے نہ دوں گا۔ اگر لوگوں نے میرے ساتھ بھلائی کی تو میں بھی یقیناً ان کے ساتھ بھلائی کروں گا اور اگر وہ برائی کے ساتھ پیش آئے تو میں ضرور انہیں عبرتناک سزا دوں گا۔ (الفاروق عمر ص۱۱۳)

فتوحاتِ عراق

حضرت عمر کے اہم کارناموں میں فتوحات اور بلاد اسلامی کی توسیع نہایت ہی روشن باب ہے۔ صدیق اکبر کے دور میں تقریباً پورا عراق مسلمانوں کے زیر نگیں آچکا تھا۔ یہ تمام علاقے شاہ کسریٰ کے ممالک محروسہ میں شامل تھے۔ عراق میں مقیم عرب قبائل کے ساتھ ایرانی لشکروں کو بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمتیں اٹھانی پڑی تھیں۔ پے در پے شکستوں نے ایرانیوں کی قومی و مذہبی غیرت کو بیدار کر دیا تھا انہوں نے حیرہ پر قبضہ کرنے کے لئے ایک لشکر جمع کیا۔ حضرت خالد ابن ولید کے شام چلے جانے کے بعد چوں کہ عراق میں صرف آدھا اسلامی لشکر رہ گیا تھا۔ چناں چہ شاہِ ایران شہریزان بن اردشیر نے ہرمز کو دس ہزار فوج

کے ساتھ حیرہ کی جانب روانہ کیا۔ مُثنّیٰ بن حارثہ نے حیرہ سے نکل کر بابل میں مورچہ قائم کیا۔ جہاں طرفین میں خون آشام معرکہ ہوا۔ ایرانی لشکر کے آگے ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد صف بستہ تھی جس سے مسلمانوں کے لئے سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ ہاتھیوں کی طرف سے مڑکر ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ ایرانی اس حملہ کی تاب نہ لا سکے اور میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ اسلامی لشکر ان کے تعاقب میں اطراف مدائن تک چلا گیا۔ مثنیٰ کو معلوم ہوا کہ ایک عظیم ایرانی لشکر مسلمانوں سے جنگ کے لئے آراستہ ہو رہا ہے چنانچہ آپ اسلامی لشکر کو لے کر حیرہ واپس آگئے جہاں انہیں یہ بھی پتہ چلا کہ شاہ ایران شہر یزان مرگیا ہے۔ اور ایرانی پھر تاج وتخت کے جھگڑوں میں پڑ گئے ہیں۔ بہر حال عراق کی حالت زار نے مثنیٰ کو تشویش میں مبتلا کر دیا اور انہوں نے بشیر بن خصاصیہ کو اپنا نائب مقرر کیا خود بسرعت مدینہ کی طرف چل پڑے تا کہ صدیق اکبر کو حالات سے باخبر کر کے مزید اسلامی لشکر کی درخواست کریں۔

مثنیٰ بن حارثہ مدینہ میں

جس دن مثنیٰ بن حارثہ مدینہ پہونچے وہ خلیفہ اول کی زندگی کا آخری دن تھا تاھم صدیق اکبر نے مثنیٰ کو بلا کر سارے حالات سنے اور عراق کی مہم پر جلد تر فوجی کمک بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ انہیں اپنی زندگی کی توقع نہ تھی۔ چنانچہ حضرت عمر کو بلا کر کہا۔

"عمر جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو سنو اور عمل کرو۔ مجھے امید ہے کہ میں آج ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا اگر میں مر جاؤں تو شام ہونے سے پہلے پہلے مثنیٰ کو امداد دے کر رخصت کر دینا اور اگر رات ہو جائے تو صبح سب سے پہلے یہ کام کرنا۔ اگر اللہ اعدائے اسلام پر تمہیں فتح بخش دے تو خالد کی فوج کو عراق بھجوا دینا کیوں کہ اس فوج میں عراق کے بڑے صاحب اثر لوگ شامل ہیں۔ جو اہل عراق کے ساتھ حملہ کر کے انہیں مار بھگانے کی قوت رکھتے ہیں۔

(طبری ج ۲ الفاروق عمر ص۱۱۱)

حضرت ابوبکر نے اسی روز وفات پائی۔ تجہیز و تدفین کے بعد حضرت عمر پوری رات اسلامی سلطنت کے استحکام اور عراق و شام کی مہمات کے بارے میں غور و فکر کرتے رہے۔ دوسرے دن جب بیعت عام کا سلسلہ شروع ہوا اور لوگ جوق در جوق باہر سے آنے لگے تو حضرت عمر نے محاذ عراق پر جانے کے لئے لوگوں کو آمادہ کیا اور تقریر فرمائی۔

کہاں ہیں مہاجرین؟ جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ ہجرت کی ہے اور جن سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اس سرزمین کی طرف چلیں جس کے وارث بنانے کا اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں وعدہ کیا ہے کہ بے شک اس کو تمام ادیان پر غالب کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ظاہر کرنے والا اور اس کی مدد کرنے والوں کو فتح و نصرت دینے والا ہے اور مختلف ممالک کا ان کو وارث بنانے والا ہے کہاں ہیں اللہ کے بندے؟ کہاں ہیں انصار؟ جنہوں نے نبی کو اپنے یہاں ٹھہرایا۔ اس کی اور اس کے دین کی مدد کی۔ اس کے ساتھ کفار سے جنگ کی۔ اس ملک کی طرف چلیں جس کی فتح کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور وہ کام کریں جس سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص۔ بے شک اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ لڑتے ہیں۔ اس طرح گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (ابن خلدون ج ۴ ص۹)

خلیفۂ اول کے انتقال کا غم اور امارت کی تبدیلی سے پیدا ہونے والے اثرات کی فکر اور ایرانی سطوت کی قدیم روایات نے مسلمانوں کو اضمحلال و جمود سے دوچار کر رکھا تھا۔ اس لئے حضرت عمر کی پرجوش تلقین جہاد کے باوجود مسلمان خاموش رہے۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ نے اٹھ کر کہا

مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں عراق

کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے۔ اور عجم والے ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔
مثنیٰ کے ان جملوں نے مجمع کا سکوت توڑ دیا اور ابو عبید ثقفی نے جوش میں آگے بڑھ کر کہا۔ انا لھذا۔ ہم اس خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ لوگوں کا جمود ٹوٹا اور وہ شرکت جہاد کے لئے ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور لشکر کی تیاری شروع ہوئی حضرت مثنیٰ بن حارثہ حیرہ کی طرف واپس ہو گئے۔ پانچ ہزار اسلامی لشکر ابو عبید ثقفی کی قیادت میں ایک ماہ بعد مدینہ سے روانہ ہوا جب مثنیٰ حیرہ پہونچے تو انہیں ایران کے تازہ ترین حالات سے باخبر کیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ آرزومیدخت جو تخت کسریٰ پر فائز ہو گئی تھی۔ عمائدین ایران نے اس کی حکومت کو ناپسند کیا۔ اس لئے کسریٰ کی ایک ہوشیار بیٹی پوران نے امراء کو متحد کیا اور ایران کے مشہور سپہ سالار رستم والئ خراسان کو آرزومیدخت پر حملہ کی دعوت دی۔ رستم نے مدائن آکر اسے فتح کر لیا۔ آرزومیدخت کو تخت سلطنت سے ہٹا کر پوران کو مدائن کے تخت پر بٹھا دیا۔ ایرانی مرزبان اس کی حکومت سے مطمئن ہو گئے اور انہوں نے پوران کی اطاعت قبول کر لی۔ پوران نے رستم کو دس سال کے لئے ایران کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اب ایرانی راجدھانی میں امن ہو چکا ہے اس لئے ایرانیوں نے متحد ہو کر عراق کو اسلامی قلمرو سے نکالنے کے لئے بڑے پیمانے پر جنگی کارروائیاں شروع کر دی ہیں۔ سپہ سالار رستم نے چند فوجیں ترتیب دیں۔ جابان کو فرات کی جانب اور کسکر کی جانب نرسی کو اور ایک بڑی فوج حیرہ کی طرف روانہ کیا اور سب کو ایک دن مقررہ وقت پر نشیبی فرات میں جمع ہونے کا حکم دیا۔

جنگ نمارق

ابو عبیدہ اور مثنیٰ بن حارثہ جب حیرہ پہونچے تو ایرانی فوجیں حدود عراق میں داخل ہو چکی تھیں جنگی مصلحت کے پیش نظر خفان میں آکر خیمہ زن ہو گئے۔ جابان ایک بڑی فوج کے ساتھ نمارق میں فروکش تھا ابو عبید ثقفی اپنی فوج کے ساتھ نمارق پہونچے۔ دونوں لشکروں میں شدید جنگ ہوئی۔ ایرانی فوج مقابلہ پر ڈٹی رہی۔ بالآخر ابو عبید کے پُر جوش حملے کی تاب نہ لا کر

میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔ ایرانی لشکر کا سپہ سالار جابان مطر بن فضہ تیمی کے ہاتھوں گرفتار ہوا جسے وہ پہچانتے نہ تھے۔ اس لئے وہ فریب دے کر آزاد ہو گیا۔

نمارق میں شکست کھانے کے بعد ایرانی مفرورین کسکر پہونچے جہاں نرسی ایک فوج لئے پڑا تھا۔

جنگ کسکر

ابوعبید نے اپنا لشکر لے کر کسکر کی جانب کوچ کیا۔ پوران اور رستم کو جابان کی شکست کا علم ہوا تو انہوں نے جالینوس کو ایک فوج کے ساتھ نرسی کی مدد کے لئے کسکر بھیجا۔ جالینوس راستے ہی میں تھا کہ ابوعبیدہ لشکر لے کر کسکر پہونچ گئے۔ سقاطیہ کے میدان میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ ایرانی فوج کا سپہ سالار نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اس کے ساتھ بدویہ اور شیرویہ ایرانی فوج کے میمنہ و میسرہ پر امیر تھے۔ یہ دونوں کسریٰ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ جنگ شروع ہوئی شاہی خاندان کے افراد کی قیادت کے باوجود ایرانی فوج نے ہزیمت کھائی نرسی بھاگ گیا ایرانی لشکر کی شکست کے بعد کسکر اور سقاطیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

جالینوس اپنی فوج کے ساتھ مقام باقیشا میں مقیم تھا۔ ابوعبید اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور ایک ہی حملے میں اسے شکست دے کر بھگا دیا۔ اس فتح کے بعد ابو عبید نے تقریبًا تمام اطراف سواد پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے باشندوں پر جزیہ لگا دیا۔ (ابن خلدون ج ۴ ص ۱۱۱-۱۱۲)

جنگ جسر

رستم کو جب نرسی اور جالینوس کی شکستوں کا علم ہوا تو اس نے ایرانی سرداروں کے مشورہ سے ایران کے مشہور سورما بہمن جادویہ کو تیس ہزار فوج اور تین سو کوہ پیکر جنگی ہاتھیوں کے ساتھ اس شان سے حیرہ کی طرف روانہ کیا کہ ایرانی فتح و ظفر کا مذہبی نشان درفش کاویانی اس کے سر پر سایہ فگن تھا۔ یہ پرچم بارہ گز لمبا، آٹھ گز چوڑا چیتے کی کھال کا بنا ہوا تھا۔ بہمن جادویہ مدائن سے چل کر قسنا طف میں فروکش ہو گیا

ابوعبید اسلامی لشکر لے کر کسکر سے مروحہ میں آ گئے۔ دونوں لشکروں کے درمیان دریا حائل تھا۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ مسلمان دریا پار کر کے آئیں گے یا وہ خود دریا پار کر کے مسلمانوں کے مقابلے پر آئے؟ ـــــ جوشِ جہاد میں ابوعبید دریا پار کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مثنیٰ اور سلیط بن قیس نے دریا عبور کرنے سے روکا لیکن ابوعبید کو اپنی رائے پر اصرار تھا۔ پل تیار کر کے اسلامی لشکر دوسرے کنارہ پر ایرانیوں کے مقابلہ میں اتار دیا۔ ساحل کے نشیب و فراز کی وجہ سے مسلمانوں کو لشکر کی موزوں ترتیب کا موقع نہ مل سکا۔ دونوں فوجیں متحارب ہوئیں۔ اسلامی لشکر کی تعداد نو ہزار اور ایرانی فوج تیس ہزار سپاہ پر مشتمل تھی۔ جس کے آگے تین سو کوہ پیکر ہاتھی جن کے گلے میں گھنٹیاں بندھی تھیں اور ان پر فیل سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں پہن کر بیٹھے تھے۔ گھوڑوں نے جب یہ مہیب منظر دیکھا تو بدک گئے اور سواروں کے کنٹرول سے نکل گئے۔ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ یہ حال دیکھا تو ابوعبید نے للکار کر کہا۔

خدا کے بندو! تم ہاتھیوں پر حملہ کیوں نہیں کرتے چلو ان کی سونڈوں کو کاٹ ڈالو۔ کیا تمہاری تلواریں زنگ آلود ہو گئی ہیں؟ کیا یہ ہاتھی تمہارے ہی جیسے انسانوں کے تابع فرمان نہیں ہیں؟

ابوعبید گھوڑے سے اتر پڑے اور ایک ہاتھی پر وار کر کے اس کی سونڈ اور دونوں اگلے پاؤں کاٹ ڈالے سالار لشکر کی یہ جراءت دیکھی تو مسلمانوں نے جوش میں آ کر ہاتھیوں پر حملے شروع کر دئیے اور متعدد ہاتھیوں کے سونڈ اور پاؤں کاٹ کر ان کے سواروں کو موت کے بستر پر سُلا دیا۔ ابوعبید ایک سفید ہاتھی کی جانب بڑھے ایک ہی وار میں سونڈ کاٹ ڈالی ہاتھی نے انہیں زمین پر گرا دیا اور سینہ پہ پاؤں رکھ کر شہید کر ڈالا۔ دوسرے ثقفی نے عَلَم ہاتھ میں لے لیا وہ بھی ایک ہاتھی کی زد میں آ کر شہید ہو گئے پے در پے سات ثقفی سواروں نے عَلَم لئے اور ہاتھیوں کی زد سے جامِ شہادت نوش کرتے رہے۔ آخر

میں مثنیٰ بن حارثہ نے علم لے لیا۔ ہاتھیوں کی یلغار اور مسلمان علم برداروں کی پے در پے شہادتوں نے ایرانیوں کے حوصلے بلند کر دئے اور مسلمان پیچھے ہٹنے لگے۔ ایک ثقفی سوار نے پل کی رسی کاٹ دی تاکہ مسلمان پسپائی کا خیال ترک کرکے جنگ کریں۔ مگر ایرانی سواروں کے شدید حملوں کی تاب نہ لا کر بہت سے لوگ فرات میں کود پڑے اور اس کی تیز لہروں نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ مثنیٰ اور ابو محجن ثقفی دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹے رہے بھاگنے والوں کو بلایا۔ پل درست کراکے باقی ماندہ فوج کو واپس لے آئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو زبردست نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ چار ہزار افراد شہید ہوئے دو ہزار نے راہِ فرار اختیار کی۔ صرف تین ہزار سپاہی مثنیٰ کی قیادت میں باقی رہ گئے۔

یہ جنگ شعبان ۱۳ھ میں ہوئی۔ (ابن خلدون ج ۴ ص ۱۰۶)

یہ شکست عراق میں مسلمانوں کا خاتمہ کر دیتی اگر مثنیٰ بن حارثہ اپنی بے مثال جرأت وہمت اور تدبر سے کام نہ لیتے۔ امکان تھا کہ ایرانی فوجیں اپنی فتح کے بعد باقی ماندہ مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے یا حدودِ عراق سے نکالنے کے لئے ضرور آگے بڑھیں گے مگر کارپردازِ قضاء و قدر نے اور ہی فیصلہ کیا تھا۔ اسی وقت پھر مدائن میں تاج و تخت کا جھگڑا چھڑ گیا اور ایرانی اعیانِ سلطنت خانہ جنگی میں اُلجھ کر رہ گئے اور مثنیٰ کو اُلّیس جیسے محفوظ مقام تک پہونچنے کا موقع مل گیا۔

مثنیٰ اُلّیس میں فروکش ہو کر ایرانیوں سے مقابلہ اور عراقی علاقوں کی بازیافت کے لئے غور و فکر کرنے لگے۔ جنگ جسر کے تمام حالات دربارِ خلافت کو لکھ بھیجے اور جلد تر فوجی امداد کی درخواست کی۔ مثنیٰ کے قاصد سے پہلے ہی مفرور مسلمان سپاہی مدینہ پہونچ چکے تھے اور شکست کے حالات سے حضرت عمر کو باخبر کر دیا تھا۔ چناں چہ اس نازک ترین صورت حال سے نپٹنے کے لئے حضرت عمر نے جریر بن عبداللہ بجلی کو ایک لشکر کے ساتھ عراق روانہ کیا جس میں بنو نمر اور تغلب کے عمائد بھی تھے۔

جنگ بویب مثنیٰ نے عراق کے مسلمانوں کو بھی یکجا کیا۔ عراق میں مقیم

عرب قبائل کو بھی دعوت دی۔ جنہوں نے عرب قومیت کے نام پر ایرانیوں سے جنگ کا عہد کیا اور مثنیٰ کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اس طرح مثنیٰ اپنی عراقی فوج کے ساتھ بویب پہونچے اور جریر بجلی کو بھی بویب پہونچنے کا پیغام بھیجا۔

رستم نے ایک آزمودہ کار جنرل مہران بن مہر و یہ ہمدانی کو جس نے عرب میں حربی تربیت حاصل کی تھی۔ ایک بڑا لشکر دے کر بویب کی جانب روانہ کیا جو فرات کے مشرقی ساحل پر اترا۔ مہران نے مثنیٰ کو پیغام بھیجا کہ یا تو تم ہم کو اس پار آنے دو یا خود اس پار آجاؤ۔ مثنیٰ نے جواب دیا تم خود اسی پار چلے آؤ۔

دونوں لشکر صف آرا ہوئے ایرانی لشکر کے تینوں حصوں کے ساتھ جنگی ہاتھیوں کے غول تھے۔ پیادہ دستہ آگے تھا۔ ایرانی جنگ جسر کی فتح و کامرانی کے نشہ میں مست تھے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ مثنیٰ سابقہ داغ کو عساکر اسلامی کے دامن سے پاک کرنا اور عراق میں اسلامی اقتدار کا پرچم لہرانا چاہتے تھے۔ چناں چہ انہوں نے خالد بن ولید کے طرز پر اسلامی لشکر کو مرتب کیا جنگ سے پہلے ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہوتے اور کہتے مجھے امید ہے کہ تم عرب کے دامن شرافت و شجاعت پر دھبہ نہ آنے دو گے۔ خدا کی قسم مجھے اپنے لئے بھی وہی چیز پسند ہے جو تم سب کے لئے پسند ہے۔"

ان جملوں نے اسلامی لشکر کے علم برداروں میں نیا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ جنگ کا آغاز ہوا ایرانیوں نے برق رفتاری سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا جس کے جواب میں مسلمانوں نے بھی حملہ کیا۔ اور شدید معرکہ آرائی ہونے لگی۔ دیر تک جنگ کا یہی عنوان رہا۔ مثنیٰ بن حارثہ جلد فتح حاصل کرنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے مجاہدین اسلام کو جوش دلایا۔ جاں بازو! تم اللہ کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ مسلمانوں نے نئی قوت کے ساتھ ایرانیوں پر اتنا شدید حملہ کر دیا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ مثنیٰ نے پل پر پہونچ کر راستہ روک لیا جس سے ایرانی فوج کے اوسان خطا کر گئے۔ چنانچہ کچھ لوگ ادھر ادھر

بھاگے اور کچھ دریا میں کود پڑے مسلمانوں نے ان لوگوں کو گھیر لیا اور کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ رات گئے تک مسلمان ایرانیوں کو قتل کرتے رہے۔ بویب کی شاندار فتح نے نہ صرف جنگ جسر کا بدلہ چکا یا بلکہ عراق کی بازیافت کا بھی دروازہ کھول دیا۔ اس جنگ میں ایرانی مقتولوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے جن کی لاشیں میدان میں سڑ گئیں اور ان کی ہڈیاں ایک مدت تک دنیا کو افسانۂ عبرت سناکر کوفہ کی بنیادوں میں دفن ہوگئیں۔ ایرانی سپہ سالار مہران کو تغلب کے ایک نوجوان نے قتل کیا تھا۔

شہداء کی تدفین سے فراغت کے بعد مثنیٰ نے مسلمانوں سے کہا !

"میں نے جاہلیت اور اسلام دونوں میں عرب وعجم سے جنگ کی ہے خدا کی قسم جاہلیت میں ایک سو عجمی ایک ہزار عربوں پر بھاری ہوتے تھے لیکن آج ایک سو عرب ایک ہزار عجمیوں پر بھاری ہیں۔ اللہ نے ایرانیوں کا رعب زائل اور فکر باطل کردی۔ تم ان کے نمائشی دبدبے، لمبے نیزوں اور کثرتِ تعداد سے مرعوب نہ ہوتا۔ (الفاروق عمر ص ۱۴۴)

باقی مفرورین کے تعاقب کے لئے مثنیٰ نے ایک دستہ روانہ کیا جو ساباط تک گیا اور پورے علاقہ کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اب سواد سے دجلہ تک سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا۔ یہ جنگ رمضان ۱۳ھ میں ہوئی (ابن خلدون ج ۴ ص ۲۱)

جنگ بویب کے بعد مثنیٰ بن حارثہ انبیس وانبار اور دوسرے علاقوں کی بغاوتوں کو ختم کرنے میں مصروف ہوگئے۔ تکریت اور خنافس پر قبضہ کرلیا۔

یزدگرد کی تخت نشینی اور ایرانیوں کا نیا جوش

بویب کی جنگ کے بعد ایرانیوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر ایران کے اندرونی اختلافات اور گروہ بندیوں کا خاتمہ نہ کیا گیا تو ایک نہ ایک دن غازیان اسلام مدائن پر قبضہ کرکے اولاد کسریٰ کو باج گذار بنالیں گے۔ جب ایرانی متحدہ قوت سے مجاہدین اسلام کا مقابلہ

نہیں کر سکیں گے تو سلطنت کسریٰ کی حفاظت ناممکن ہوگی جب تک رستم و فیروزان کی داخلی کش مکش اور ایرانی اُمراء کی گروہ بندیاں ختم نہیں ہوجاتیں اتحاد کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ قومی حمیت رکھنے والے ایرانی اُمراء کا ایک وفد رستم و فیروزان سے ملا اور اقتدار کی باہمی کش مکش کے مہلک نتائج سے باخبر کرتے ہوئے کہا۔ ساباط، تکریت، بغداد کی فتح کے بعد اسلامی فوجیں مدائن میں داخل ہوں گی اس لئے تم دونوں آپس میں صلح کر لو۔ ورنہ کسی آفت کے آنے سے پہلے ہی ہم تمہارا قصہ پاک کر دیں گے۔

رستم و فیروزان نے باہمی مشورہ کے بعد خاندان کسریٰ کے کسی فرد کو تخت پر بیٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اور یزدگرد بن شہر یار کسریٰ کو جس کی عمر اکیس برس تھی مدائن لاکر تخت نشین کر دیا۔ یزدگرد کے بادشاہ بنتے ہی ایرانی اختلافات بھول کر عرب حملہ آوروں کو سرزمین عراق سے نکالنے کے لئے پھر آمادہ ہو گئے اور جلد ہی ایرانیوں کا عظیم الشان لشکر مسلمانوں سے فیصلہ کُن جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔

مثنیٰ بن حارثہ کو کیانی پایہ تخت کی نئی صورت حال اور عظیم ایرانی لشکر کی تیاری کا علم ہوا تو پریشان ہو گئے انہیں یقین تھا کہ ایرانی فوجیں آگے بڑھیں تو اہل عراق بغاوت کر دیں گے چنانچہ دربار خلافت کو سارے حالات سے باخبر کیا۔ مدینہ سے فوجی کمک کی آمد سے قبل ہی ایرانی لشکر حیرہ وانبار کے قریب پہونچ گئے۔ مثنیٰ مصلحت وقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی لشکر کو سمیٹ کر ذیقار پہونچے اور ایک لشکر کی ترتیب میں مصروف ہو گئے۔

حضرت عمر کا جوابی طرز عمل

حضرت عمر کو جب مثنیٰ کا مکتوب ملا تو ان کو حکم دیا کہ جس قدر تمہارے پاس عراق و عرب کے مسلمان ہیں انہیں اکٹھا کرو۔ ربیعہ و مضر کے شہسواروں کو بلا کر ایرانیوں کا مقابلہ کرو۔ مثنیٰ نے حکم کی تعمیل کی حلے آئے اور وہاں سے جبل بصرہ پر مقیم ہو گئے۔

ادھر حضرت عمر نے ایران پر فوج کشی کے لئے عرب کے تمام قبائل اور حکام کو

حکم بھیجا کہ جو اسلحہ یا گھوڑا رکھتا ہے یا عقل و شجاعت سے بہرہ مند ہے تلاش کر کے مدینہ بھیجو اور فرمایا خدا کی قسم میں شاہانِ عجم سے ملوک عرب کو ضرور ٹکراؤں گا۔" جب مدینہ میں مجاہدین اسلام جمع ہو گئے تو آپ نے اسلامی لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن کو افسر بنایا۔ شوق جہاد اتنا بڑھا کہ امور خلافت حضرت علی کو سونپے اور اپنی سپہ سالاری میں لشکر اسلام کو کوچ کا حکم دیا جب عین ضرار پر قیام فرمایا تو ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں اہلِ رائے صحابہ نے بیک زبان کہا۔

" امیر المومنین اس لشکر کی کمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو عطا فرمادیں اور خود مدینہ میں رہ کر کمک روانہ کرتے رہیں اگر اللہ نے ہمیں فتح نصیب فرما دی فہوالمراد ورنہ دشمن کی سرکوبی کے لئے دوسرا لشکر بھیج دیا جائے گا۔ (الفاروق ج۲ ص ۱۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا ۔

شروع میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ آپ کے لشکروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ رہا ہے؟ اگر خدا نخواستہ اسے شکست ہو گئی تو یہ اس ہزیمت سے بہر حال کم ہوگی جو آپ کی قیادت میں پیش آئے گی مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ شہید ہو گئے یا شکست کھا گئے تو مسلمان پھر کبھی تکبیر نہ پڑھ سکیں گے۔ (ایضاً ص ۱۷۳)

حضرت عمر نے اکابر امت کی رائے کا احترام کیا اور فرمایا۔

" تمہارے اہل الرائے نے مجھے روک دیا ہے اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ خود نہ جاؤں اور یہ خدمت کسی اور کے سپرد کردوں"۔ (ایضاً)

پھر سپہ سالار لشکر کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو باتفاق آراء حضرت سعد بن وقاص کا انتخاب کیا گیا۔ جو اس وقت نجد میں اسلامی لشکر کے لئے ایک ہزار جانبازوں کو جنگی تربیت دے رہے تھے۔ فوراً انہیں طلب کیا گیا۔ اور لشکر عراق کی سالاری سونپ دی گئی روانگیٔ لشکر کے وقت حضرت عمر نے حضرت سعد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے سعد! اس بات پر غرور نہ کرنا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور

صحابی ہو اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں بلکہ نیکی سے مٹاتا ہے۔ اور اللہ اور اس بندے کے درمیان رشتہ اطاعت کے سوا کوئی دوسرا رشتہ نہیں۔ اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔ سربلندی صرف اسی کے لئے مقدر کی جاتی ہے جو اطاعت کوش ہو۔ ہر مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر نظر رکھنا اور اسی پر عمل کرنا، صبر و استقامت کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔" (ابن خلدون ج ۴ صفحہ ۲۶)

حضرت سعد کی روانگی عراق

حضرت سعد کی قیادت میں چار ہزار مجاہدین اسلام عراق کی جانب روانہ ہوئے

حضرت عمر مدینہ آکر سعد کی مدد کے لئے فوجی دستے عراق کی جانب روانہ کرتے رہے۔ جس سے لشکر اسلام کی قوت وطاقت میں اضافہ ہو گیا۔ اس لشکر کا ایک نمایاں وصف یہ بھی تھا کہ اس میں عرب کے بڑے بڑے سورما شہسوار، شاعر، خطیب اور رئیس شامل تھے۔ جن میں عمرو بن معدیکرب، طلیحہ بن خویلد اسدی، اشعث بن قیس کندی جیسے زعمائے عرب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت سعد بیس ہزار اسلامی لشکر کے ساتھ جب شراف پہونچے تو ان کو مثنیٰ بن حارثہ کی خبر وفات ملی۔ جو ذیقار میں آٹھ ہزار اسلامی لشکر کے ساتھ مدینہ سے تازہ دم لشکر کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

جسر کی جنگ میں انہیں جو شدید زخم پہونچے تھے مسلسل جنگ اور رحلت وسفر کی وجہ سے مہلک بن گئے تھے اور وہ اس صدمہ سے جاں بر نہ ہو سکے۔ جب اسلامی لشکر شراف پہونچا تو اس سرفروش مجاہد اسلام کا وقت موعود قریب آگیا وفات سے قبل بشیر بن خصاصیہ کو اپنی فوج کا امیر مقرر کیا اور اپنے بھائی معنیٰ بن حارثہ شیبانی کو وصیت کی اور حضرت سعد کے لئے چند اہم جنگی مشورے بھی انہیں بتا دئے۔

"ایرانیوں سے اس وقت جنگ نہ کی جائے جب ان کی شیرازہ بندی ہو چکی ہو اور وہ آپس میں متحد ہو گئے ہوں۔ ان کے ملک میں گھس کر بھی ان سے لڑنا ٹھیک

نہیں بلکہ ان کی سرحدوں پر رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ پس مسلمان غالب آ جائیں تو آگے بڑھنا آسان ہے اور اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہو تو عرب اپنے راستوں سے زیادہ واقف اور اپنی سرزمین میں زیادہ جری ہوں گے اور ان کے لئے پلٹ کر حملہ کرنا آسان ہوگا۔ (الفاروق عمر ص ۱۶۵)

معنیٰ نے حضرت سعد سے ملاقات کی اور اپنے بھائی مثنیٰ کے ضروری مشوروں سے آگاہ کیا۔ جو جنگی لحاظ سے کافی اہم تھے شراف میں جب حضرت سعد نے اسلامی لشکر کا جائزہ لیا تو اس کی تعداد تیس ہزار پہونچ چکی تھی۔

اس لشکر میں چودہ سو صحابہ کرام شامل تھے۔ جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جنگ کی تھی۔ جن میں ستر اصحاب بدر تھے۔ اس اسلامی لشکر کے دستوں امیروں اور عہدہ داروں کی کیفیت کا نقشہ ذیل میں درج ہے جو سپہ سالار لشکر نے مرتب کیا تھا۔

فوج	افسروں کے نام	مختصر کیفیت
مقدمۃ الجیش	زہرہ بن عبد اللہ بن قتادہ	ایام جاہلیت میں بحرین کے بادشاہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل بن کر حاضر آئے تھے۔
میمنہ	عبداللہ بن المعتصم	صحابیٔ رسول
میسرہ	سرجیل بن السمط کندی	ایک دلیر جوان تھے مرتدین کی جنگ میں داد شجاعت دی تھی۔
ساقہ	عاصم بن عمرو التیمی	صحابیٔ رسول۔ قعقاع بن عمرو کے بھائی تھے۔
طلایہ	سواد بن مالک تمیمی	اس جنگ میں پہلے ایک افسر تھے پھر طلایہ پر مامور ہوئے۔
مجرد	سلمان بن ربیعہ باہلی	انہوں نے فتح شام میں بھی شرکت کی ۳۰ھ سے قبل انتقال کیا۔
پیادہ	جمال بن مالک اسدی	
قاضی وخزانچی	عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی	مال غنیمت جمع کرنا اور تقسیم کرنا بھی آپ کے ذمہ تھا۔
شتر سوار	عبداللہ بن ذی سہمین	

رائد	سلمان فارسی	مشہور صحابیؑ رسول جو فارس کے باشندہ تھے۔
مترجم	ہلال ہجری	
کاتب	زیاد بن ابی سفیان	

(ابن خلدون ج ۴ ص ۲۸)

اسلامی لشکر قادسیہ میں

حضرت سعد ترتیب لشکر کے بعد ابھی شراف ہی میں تھے کہ دربارِ خلافت سے حکم آیا۔

شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ کا رخ کرو۔ اپنے مورچے ایسے مقام پر بناؤ کہ تمہارے آگے زمین فارس ہو اور پیچھے عرب کے پہاڑ ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو فتح نصیب کرے تو جس قدر چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور اگر اس کے برعکس ہو تو پہاڑ پر آرہو۔ حالات کا جائزہ لے کر حملہ کرو۔ (ابن خلدون ج ۴ ص ۲۹)

اسلامی لشکر مقام قادسیہ میں فروکش ہوگیا۔ دو ماہ تک ایرانی لشکر مقابلہ میں نہ آیا۔ جب حضرت عمر کو اطلاع دی گئی کہ یزدگرد نے ایرانی لشکر کی کمان رستم بن فرخ زاد کو سونپ دی ہے اور وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ آزما ہونے کے لئے روانہ ہوچکا ہے تو حضرت عمر نے سعد کو تحریر فرمایا۔

"دشمن کی تیاریوں سے بالکل پریشان اور خوف زدہ نہ ہونا۔ اللہ سے مدد طلب کرنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا۔ دشمن کے پاس دعوت اسلام دینے کے لئے تم ایسے لوگوں کو بھیجو جو وجیہہ، عقلمند اور بہادر ہوں۔ اللہ اس دعوت کو دشمن کی ذلت اور ہماری کامیابی کا ذریعہ بنائے گا۔" (الفاروق ع ص ۱۲۹)

سفارت مدائن

حضرت سعد نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں چودہ سربر آوردہ بہادر، ہوشمند افراد کو نعمان بن مقرن کی سرکردگی میں شاہِ ایران کے پاس مدائن بھیجا۔ جن میں مغیرہ بن شعبہ، فرات بن حیان، اشعث بن قیس، عمرو بن معد یکرب، معنیٰ بن حارثہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

یزدگرد کو جب اسلامی وفد کے آنے کی اطلاع ہوئی تو اس نے دربار کسریٰ

آراستہ کرا دیا تاکہ عرب اس کی ہیبت وشوکت سے مرعوب ہوجائیں اور حدود کسریٰ چھوڑ کر چلے جائیں۔ مگر وہ مسلمان جو صرف اللہ سے ڈرتے تھے دُنیاوی جاہ و حشم اور اکاسرہ کی شان وشوکت بھلا انہیں کیسے مرعوب کرسکتی تھی۔ وفد کے ارکان سادہ عربی لبادوں میں ملبوس، کندھوں پر چادریں، ہاتھوں میں کوڑے، کمریں تلواریں لٹکائے دُبلے پتلے گھوڑوں کی ٹاپوں سے خاک اڑاتے ہوئے بڑی شان بے نیازی کے ساتھ مدائن کے کوچہ وبازار سے گذرتے ہوئے دربار کسریٰ میں داخل ہوئے۔

یزدگرد نے وفد سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تم نے حدود فارس پر چڑھائی کیوں کردی ہے تم کو ہمارے مقابلے پر آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اس لئے کہ ہم باہمی جھگڑوں میں مصروف ہیں۔

نعمان بن مقرن نے جواب میں اسلام کی تعلیمات بیان کرنے کے بعد کہا۔

"اگر تم اسلام قبول کروگے تو ہم کتاب اللہ تمہارے حوالہ کردیں گے جس کے مطابق تم عمل کروگے اور ہم تم کو اور تمہارے مُلک کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ ورنہ دوسری صورت جزیہ یا تلوار کی ہے"۔

یزدگرد نے طیش میں آکر کہا۔

"تم کو یاد نہیں تم سے زیادہ ذلیل وبدبخت کوئی قوم نہ تھی جب تم کبھی سرکشی کرتے تھے تو سرحدی حکام تمہاری سرزنش کردیتے تھے۔ دوچار فتوحات سے دھوکہ میں نہ آؤ! اگر افلاس وقحط سالی کی وجہ سے غارت گری شروع کی ہے تو ہم تمہیں کچھ دے بھی سکتے ہیں تم واپس جاؤ ہم تمہارے اوپر ایک حاکم مقرر کردیں گے۔ جو تمہارے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آئے گا۔

(ابن خلدون ج ۴ صفحہ ۳۱)

مغیرہ بن شعبہ سے ضبط نہ ہوسکا۔ ہمراہیوں سے اجازت لے کر پُرجوش انداز میں کہا۔

"یہ سچ ہے کہ ہم بد بخت و گمراہ تھے۔ لیکن خدا نے ہمارے پاس پیغمبر بھیجا ابتداء میں ہم نے اس کی مخالفت کی اسے جھٹلایا۔ مگر رفتہ رفتہ اس کی بات دلوں میں اثر کر گئی اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس مذہب کو دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں۔ جس کو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی نہ ہو وہ اسلام کی حمایت میں رہیں۔ جن کو دونوں باتوں سے انکار ہے اس کے لئے تلوار ہے۔" (ایضاً)

یزدگرد اس جواب سے تلملا گیا اس نے کہا اگر سفیروں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ واپس نہ جاتا۔ جاؤ اپنے سردار سے کہہ دو رستم آرہا ہے وہ تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔ یہ کہہ کر ایک مٹی کا ٹوکرا منگایا اور بغرض تذلیل ایک معزز سفیر عاصم بن عمرو کے سر پر رکھ کر دربار سے چلا دیا۔ وفد کے ارکان سعد کے پاس آئے اور کہا فتح مبارک ہو۔ دشمن نے اپنی زمین خود ہم کو دیدی ہے۔

یزدگرد نے ساباط میں فروکش ایک لاکھ بیس ہزار ایرانی لشکر کو رستم کی قیادت میں قادسیہ کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔ رستم ایک عظیم ایرانی لشکر اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ قادسیہ میں فروکش ہو گیا۔ مگر وہ جنگ سے جی چراتا تھا اس لئے کہ اس نے علمِ نجوم کی مدد سے ایرانیوں کا زوال معلوم کر لیا تھا۔

میدانِ قادسیہ

ایرانی لشکر کی قوت وطاقت کے باوجود رستم یہ چاہتا تھا کہ عرب جنگ کئے بغیر حدودِ کسریٰ سے چلے جائیں اسے معلوم تھا کہ اگر قادسیہ کے میدان میں شکست ہو گئی تو صرف مدائن ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے پورے ایران کے دروازے کھل جائیں گے چنانچہ اس نے حضرت سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اپنی فوج کے کسی ایسے شخص کو بھیجیں جو مسلمانوں کا مدعا واضح کر سکے۔

مغیرہ بن شعبہ سفارت کے لئے رستم کے پاس پہونچے۔ انہوں نے رسول اکرم کی بعثت کا تذکرہ کیا اور کہا ہمارے اہل وعیال نے ایرانی غذا کا مزہ چکھ لیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم زیادہ صبر نہیں کرسکتے۔ پھر فرمایا۔ ایرانی اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں اگر ان، دونوں باتوں سے اِنکار ہے تو پھر جنگ ہمارا فیصلہ کرے گی۔

اِس کے بعد دوبار مزید سفارتیں بھیجی گئیں جن کا نتیجہ صفر رہا۔ جنگ ناگزیر ہوگئی رستم نے دریا عبور کیا اور اسلامی لشکر کے سامنے فروکش ہوگیا۔

قادسیہ کا فیصلہ کُن معرکہ

محرم ۱۴ھ میں قادسیہ کے تاریخی میدان میں دونوں لشکروں نے اپنی صفیں آراستہ کیں۔ حضرت سعد عرق النساء کے مرض میں مبتلا تھے جنگ میں شرکت سے معذور تھے اِس لئے انہوں نے خالد بن عرطفہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ خود ایک پرانے قصر کی چھت پر چلے گئے وہیں سے ضروری ہدایات خالد کو دیتے۔ ایرانی لشکر کی قیادت رستم کررہا تھا۔ اور وہ سیلاب بلاخیز کی طرح پھیلا ہوا تھا جس کے پیچھے جنگی ہاتھیوں کا انبوہ کثیر سیاہ سلسلۂ کوہ معلوم ہوتا تھا۔ رستم ایک تخت زرنگار پر بیٹھا ہوا تھا۔ جس پر چتر سایہ فگن تھا۔ دونوں لشکر بالمقابل کھڑے ہوکر آغاز جنگ کا انتظار کرنے لگے۔ فریقین اچھی طرح جانتے تھے کہ جو فیصلہ کن معرکہ درپیش ہے اس کا نتیجہ دو ہی صورتوں میں ظاہر ہوگا اگر ایرانیوں نے ہزیمت اٹھائی تو مدائن مسلمانوں کے زیرِ نگیں آجائے گا اگر عربوں نے شکست کھائی تو ان کو جزیرہ نمائے عرب میں پسپا ہونا پڑے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے آغازِ جنگ سے قبل اپنی اقامت گاہ سے قریب اسلامی دستوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

" اللہ برحق ہے حکومت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور اس کا قول کبھی غلط نہیں ہوسکتا اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے ولقد کتبنا فی الزبور من

بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون ۵ ہم نے ذکر کے بعد زبور میں لکھا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ یہ زمین تمہاری میراث اور تمہارے پروردگار کا کیا ہوا وعدہ ہے۔ اس نے تین سال سے تمہارے لئے حلال کر رکھا ہے یہاں تم آج کھا پی رہے ہو اس سرزمین کے باشندوں کو قتل کر رہے ہو اور انہیں لونڈی غلام بنا رہے ہو دیکھو! یہ جمعیت تمہارے لئے آئی ہے اور تم معززین عرب ہو تمہارے قبیلوں کو تم پر ناز ہے اگر تم دُنیا کو ٹھکرا کر آخرت کو پسند کرو گے تو اللہ تمہیں دُنیا و آخرت دونوں سے نوازے گا۔ لیکن اگر تم نے بزدلی اور پست ہمتی سے کام لیا تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی تمہاری عاقبت خراب ہو جائے گی۔ (الفاروق ج ۲ ص ۱۹۱)

لشکرِ اسلام میں جا بجا خطیب صبر و استقلال کی تلقین کر رہے تھے قرآن کریم کی وہ آیات جن میں صبر کرنے والوں اور راہِ خدا میں شہید ہونے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ با آواز بلند پڑھ کر مجاہدین اسلام میں ایک نئی روح پھونک رہے تھے۔ ساتھ ہی انہیں بتا رہے تھے کہ وہ عرب قوم جس نے کبھی دشمن کے سامنے ذلت برداشت نہیں کی اور نہ ظلم پر خاموش رہے اب اگر اس نے دشمن کے مقابلے میں پست ہمتی دکھائی تو شرم کی بات ہوگی۔

دوسری جانب ایرانی لشکر میں بھی اپنے وطن کے تحفظ اور قومی سالمیت کے نام پر بڑا جوش پایا جا رہا تھا۔ رستم کے آدمی پورے لشکر میں عربوں کے خلاف غم و غصہ کی آگ بھڑکا کر ایرانی جوانوں کے خون گرم کر رہے تھے۔

یوم ارمات دونوں لشکر آمادۂ پیکار تھے حضرت سعد بن ابی وقاص نے پروگرام کے مطابق جب تیسری تکبیر کہی تو مجاہدین اسلام صفوں سے باہر نکلے ایرانیوں کو دعوت مبارزت دی وہ مقابلہ کے

لئے باہر نکلے غالب بن عبداللہ اسدی کے مقابلہ میں ایک ایرانی شاہزادہ ہُرمز تاج پہنے ہوئے آیا۔ غالب نے اسے گرفتار کر کے حضرت سعد کی خدمت میں پیش کر دیا۔ عاصم بن عمرو نے ایک ایرانی پر حملہ کیا۔ وہ فرار ہو گیا عمرو بن معدیکرب نے اپنے حریف کو گھوڑے سے اٹھا کر زمین پر پٹک دیا اور تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ رستم نے ابتدائی جنگ کا نقشہ دیکھا تو جنگ مغلوبہ شروع کر دی اور بنو بجیلہ کے سرفروش آگے بڑھ بڑھ کر ایرانی فوج پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے ہاتھیوں کا ریلا ان کی جانب پھیر دیا۔ اس سیاہ پہاڑ سے عربوں کے گھوڑے بدک کر بھاگنے لگے۔ قریب تھا کہ ہاتھیوں کے پاؤں سے مجاہدین اسلام روند ڈالے جائیں۔ بنو اسد مدد کے لئے آگے بڑھے طلیحہ بن خویلد اور رجال بن مالک نے ہاتھیوں کے سیلاب کو روک دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ہاتھی پھر حملہ آور ہوئے حضرت سعد نے عاصم بن عمرو کو پیغام بھیجا۔

تم اپنے قبیلہ کے ذریعہ کالی آندھی کا علاج کرو چنانچہ بنو تمیم کے تیر اندازوں نے فیل سواروں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ہاتھیوں کے ریلے میں بنو اسد کے پانچ سو آدمی شہید ہو گئے۔

رستم نے پورے لشکر کو جنگ کا حکم دے دیا ادھر فرزندانِ توحید نے بھی تیغ زنی شروع کر دی اور تیزی کے ساتھ جنگ کی چکی چلنے لگی۔ مسلمان اسلام کی سربلندی کے لئے شمشیر و سنان، تیر و تبر سے دادِ شجاعت دے رہے تھے اور ایرانی کسریٰ کے اقتدار کے تحفظ کے لئے نبرد آزما تھے۔ خونریز جنگ جاری تھی کہ سورج ڈوب گیا میدانِ جنگ پر رات کی سیاہ زلفیں بکھر گئیں اور دونوں لشکر جنگ بند کر کے اپنے کیمپوں میں چلے گئے۔

یوم اغواث

قادسیہ کی جنگ کا دوسرا دن شروع ہوا جانبین کی صفیں آراستہ ہوئیں اسی اثناء میں شام سے چھ ہزار سپاہ پر مشتمل اسلامی لشکر ہاشم بن عتبہ کی قیادت میں قادسیہ کے قریب پہونچا۔ ہراول دستہ کے امیر

مشہور مجاہدِ اسلام قعقاع بن عمرو تھے۔ ان کے ہمراہ ایک ہزار سرفروش مجاہد تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور ایرانیوں پر رعب قائم کرنے کے لئے اپنے دستہ کو دس حصوں پر منقسم کر دیا اور حکم دیا کہ جب تک ایک دستہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہوجائے دوسرا دستہ میدان جنگ کی طرف نہ بڑھے اور خود پہلے دستہ کے ساتھ میدان جنگ میں پہونچے۔ حضرت سعد سے ملاقات کی کمک آنے کی خوشخبری سنائی اور اجازت لے کر ایرانیوں کی صفوں کے آگے آگے للکار کر مبارز طلب کیا ایک ایرانی سورما ذوالحاجب، بہمن جادویہ آگے آیا مقابلہ شروع ہوا۔ قعقاع نے ذوالحاجب کو قتل کر ڈالا۔

ایران کے دو شہسوار انتقام کے لئے آگے بڑھے قعقاع اور حارث بن ظبیان نے دونوں کو تہِ تیغ کر ڈالا ان کی لاشیں خاک و خون میں تڑپ کر ٹھنڈی ہوگئیں۔

اب قعقاع نے للکار کر کہا مسلمانوں تلواریں نکال لو کیوں کہ تلواریں ہی فتح و نصرت کی زمین کو دشمنوں کے خون سے سینچتی ہیں"۔ یہ سنتے ہی اسلامی لشکر نے جوش و خروش کے ساتھ ایرانیوں پر حملہ کر دیا اور شدید معرکۂ رزم گرم ہوگیا۔

پہلے دن کی جنگ میں مسلمانوں کو ایرانی ہاتھیوں سے سب سے زیادہ نقصان پہونچا تھا اور ان کی پیش رفت کو روکنے کے لئے وہ حصارِ سیاہ ثابت ہوئے تھے۔ آج کی جنگ میں قعقاع نے جنگی ہاتھیوں کے جواب میں اسلامی لشکر کے تمام اونٹوں پر جھولیں ڈال دیں اور ان پہ تیر اندازوں کو بٹھا کر ایرانیوں پر حملہ کا حکم دیا۔ قعقاع کی یہ تدبیر بڑی کارگر ثابت ہوئی۔ سواران فارس کے گھوڑے ان مصنوعی ہاتھیوں کو دیکھ کر بے قابو ہوگئے اور اپنے سواروں کو گرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح ایرانیوں کو بہت بڑے جانی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

دوپہر بعد پورے ایرانی لشکر نے اجتماعی حملہ کر دیا اور شدید جنگ

شروع ہوئی دونوں فوجیں بہادری کے جوہر دکھا رہی تھیں۔ مگر قعقاع کی تدبیر جنگ نے ایرانی سپاہیوں کو بے بس ضرور کر دیا تھا۔ یہ جنگ نصف شب تک جاری رہی۔ اس معرکہ میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور دس ہزار ایرانی مارے گئے۔ ابو محجن ثقفی نامور شاعر اور شہسوار جو شراب کے عادی تھے جنہیں حضرت سعد نے پابجولاں کر کے قصر کی ایک کوٹھری میں قید کر دیا تھا۔ جنگ کا منظر دیکھ کر داد شجاعت دینے کے لئے بے قرار ہو گئے۔ سعد کی بیوی سلمٰی ادھر سے گذریں تو خدا کا واسطہ دے کر رہائی کی درخواست کی۔ سلمٰی نے انکار کیا۔ مگر جب پُر درد لہجے میں ابو محجن نے اپنے چند اشعار پڑھے تو سلمٰی نے متاثر ہو کر بیڑیاں کاٹ دیں ابو محجن ہتھیار باندھ کر سعد کے بلقاء نامی گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدان جنگ میں پہونچے۔ جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ جس طرف گئے صفیں درہم برہم کر دیں لوگوں کو ان کی شجاعت پر حیرت تھی شام ہوئی تو ابو محجن نے واپس آ کر بیڑیاں خود سے پہن لیں سلمٰی نے یہ حالات سعد سے بیان کئے انہوں نے ابو محجن کو آزاد کر دیا ابو محجن نے کہا" خدا کی قسم آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

یوم عماس

قادسیہ کے سلسلہ جنگ کا آخری دن شروع ہوا۔ دونوں لشکر فیصلہ کن رزم آرائی کے لئے صف بستہ ہو گئے۔ اسی دوران ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں شام سے آنے والا لشکر میدان جنگ میں پہونچا مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تازہ دم فوج سے ان کے حوصلوں کو قوت ملی دوسری جانب ایرانیوں کو یہ احساس ہوا کہ شام سے بہت بڑی کمک آ گئی ہے جس نے ان کو گذشتہ دونوں دنوں سے زیادہ جوش و خروش سے جنگ کرنے کے لئے تیار کر دیا۔ آج کی جنگ میں تمام جنگی ہاتھی میدان میں اتارے گئے تھے اور ان ہاتھیوں کو مسلمانوں کے حملے سے بچانے کے لئے ان کے گرد سواروں کا ہالہ قائم کر دیا گیا۔

جنگ شروع ہوئی فرزندانِ توحید نے بڑی بے جگری سے ایرانیوں پر حملے کئے اور ان کو قتل کرنے لگے شجاعان عرب کے پر جوش حملوں کا یہ رنگ دیکھ کر رستم نے جنگی ہاتھیوں کو حملہ کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ سیاہ آندھی سب سے زیادہ مصیبت تھی مگر سربکف مجاہدین اسلام نے اس حصار کو توڑنے کے لئے ہاتھیوں کے گرد ایرانی سواروں پر شدید حملے کر دئے ہاتھیوں نے جب یوم ارمات کی طرح مسلمانوں کو روندنے کا عزم کیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایرانی نومسلموں سے ہاتھیوں کے حصار کو توڑنے کی تدبیر پوچھی انہوں نے بتایا کہ اس کالی بلا سے نجات پانے کا صرف ایک راستہ ہے" ان کی آنکھیں اور سونڈ بے کار کر دئے جائیں ہے" حضرت سعد نے اس خدمت کے لئے عاصم بن عمرو، قعقاع، جمال بن مالک اور ربیل کو مامور کیا۔ انہوں نے جواں مردی کا ثبوت دیتے ہوئے ہاتھیوں کو نرغے میں لے لیا۔ برچھے مار مار کر ان کی آنکھیں بے کار کرنی شروع کر دیں، مگر یہ سیاہ سلسلہ کوہ اپنی جگہ سے ٹلتا ہی نہ تھا۔ ہاتھیوں کے سردار دو سفید ہاتھی تھے۔ قعقاع اور عاصم ایک سفید ہاتھی کی طرف بڑھے دونوں نے بیک وقت برچھے مارے جو اس کی آنکھوں میں پیوست ہو گئے ہاتھی پیچھے ہٹا تو قعقاع کی تلوار نے سونڈ اڑا دی۔

پھر ربیل اور جمال نے دوسرے سفید ہاتھی پر حملہ کر دیا وہ زخم کھا کر بھاگا۔ ان سفید ہاتھیوں کا پیٹھ پھیرنا تھا کہ سارے ہاتھیوں نے میدان چھوڑ دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں کوہ پیکر ہاتھیوں کا مستحکم حصار کافور ہو گیا۔ ہاتھیوں کے فرار کو مسلمانوں نے اللہ کی نصرت پر محمول کیا۔

جب میدانِ جنگ ہاتھیوں سے خالی ہو گیا تو ایرانی سواروں نے یزدگرد کی تازہ دم آنے والی فوج پر اعتماد کرتے ہوئے از سر نو نقشۂ جنگ مرتب کیا اور شدید جنگ کا ہولناک سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتے والی گرد نے میدان جنگ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ نقاروں کی گونج، نعروں کی تکرار

زخمیوں کی چیخ و پکار نے جنگ کو میدانِ حشر بنا دیا۔

سورج افق مغرب میں غروب ہو گیا مگر جنگ نہ رُکی اور نہ اس کی شدّت میں کمی آئی دونوں فوجوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ آج جنگ کا فیصلہ کر کے ہی ہٹیں گے لڑائی کو فیصلہ کُن نقطہ پر پہونچانے کے لئے دونوں طرف کے سپاہی دادِ شجاعت دے رہے تھے جوں جوں رات جوان ہو رہی تھی جنگ بھی اپنے نقطہ شباب تک پہونچ رہی تھی۔ پوری رات جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے مگر توازن برابر رہا فتح وظفر کے آثار نظر نہ آتے تھے اس تاریخی رات کو لیلۃ الحریر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جب سپیدۂ سحری نمودار ہوا۔ قعقاع نے للکار کر کہا مسلمانوں جنگ ابھی کچھ دیر بعد شروع ہوگی۔ ذرا صبر کرو۔ فتح صبر و تحمل کے ساتھ ہوتی ہے۔ عرب جاں بازوں کی ایک جماعت قعقاع کے ساتھ ہو گئی اور یہ لوگ رستم کی جانب بڑھے اور رستم کے محافظ دستے سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ دوسرے قبائل عرب نے مہاجرین وانصار کی جرأت دیکھی تو ان کے سرداروں نے کہا دیکھو! یہ لوگ خدا کی راہ میں سبقت نہ لے جائیں۔ قبیلوں نے اپنے مقابل ایرانیوں پر شدید حملے کر دئے دن چڑھے تک ایرانی فوج کی صفوں میں انتشار پیدا ہونے لگا۔ فیروزان و ہرمزان جو میمنہ و میسرہ پر تھے پیچھے ہٹنے لگے اور قلب لشکر میں شگاف پڑ گیا۔

رستم نے جب ایرانی لشکر کی ابتری دیکھی اور قعقاع کے مقابلہ میں اپنے محافظ دستہ کو ناکام پایا تو اسے شکست کا یقین ہو گیا۔ جان کی حفاظت کے لئے وہ تخت سے کودا اور نہر عتیق میں چھلانگ لگا دی ایک مجاہد ہلال بن عرقہ نے رستم کو پہچان لیا۔ نہر میں کود پڑے۔ ایرانی سالارِ اعظم کی ٹانگ پکڑ کر دریا سے باہر نکالا اور قتل کر دیا اور اس کے تخت پر کھڑے ہو کر باواز بلند پکارا قتلتُ رستمَ وربِّ الکعبۃ ....'' رب کعبہ کی قسم میں نے رستم کو ہلاک کر دیا۔

ایرانیوں کو جب اپنے سب سے بڑے سورما کے قتل کا علم ہوا تو ان کے

دل چھوٹ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر تیزی کے ساتھ فرار ہونے لگے۔ فیروزان ہرمزان پہلے ہی ہر پار کر چکے تھے۔ جالینوس نے تیس ہزار زرہ پوش، ایرانی جوانوں کو آخری مرحلہ میں جنگ کے لئے اتارا جو آخری دم تک لڑنے کا عزم لے کر میدان میں آئے تھے مگر پُرجوش مجاہدینِ اسلام نے انہیں بھی دیر تک میدان جنگ میں ٹھہرنے نہ دیا بالآخر دوسرے ایرانیوں کی طرح انہوں نے بھی راہِ فرار اختیار کی۔

اس طرح میدان جنگ ایرانی سورماؤں سے خالی ہوگیا۔ اور ان کی خاک و خون میں تڑپتی ہوئی تیس ہزار لاشیں اور بے شمار نیم جان بے قرار زخمی باقی رہ گئے۔

ضرار بن خطاب نے ایران کا سب سے بڑا پرچم درفش کاویانی اٹھایا جو دو لاکھ دس ہزار کی مالیت کا تھا۔ مسلمانوں کو اس فتح پر بڑی خوشی تھی اس لئے کہ اس نے انہیں فتح و کامرانی کا تاج پہنایا تھا۔

حضرت سعد نے قعقاع، شرجیل، زہرہ کو ایرانی مفرورین کے تعاقب میں روانہ کیا۔ بہت سے ایرانی بھاگتے ہوئے تہ تیغ ہوگئے۔ انہیں میں ان کا نامور جانباز جالینوس بھی زہرہ بن دویہ کی تیغ خارا شگاف کا لقمہ بنا۔

اس جنگ میں چھ ہزار مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ مگر اس قربانی نے آلِ ساسان کی بساط حکومت الٹ دی اور عراق سے صدیوں قدیم ایرانی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو اتنا مالِ غنیمت ہاتھ آیا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ جنگ شعبان ۱۴ھ میں واقع ہوئی۔

قادسیہ کی جنگ نے خاندانِ کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا۔ درفش کاویانی ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہوگیا۔ بڑے بڑے ایرانی جانباز و سورما پیوند خاک بن گئے۔ اس جنگ میں بے اندازہ جنگی ساز و سامان اور مال و متاع مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ اس فتح کو اسلامی سلطنت کی توسیع و قیام میں وہی دخل و اثر ہے جو اسلام کے قیام میں غزوۂ بدر کو حاصل ہے۔

فتح کے بعد حضرت سعد نے امیر المؤمنین کو تحریر کیا۔
اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہلِ فارس پر فتح عطا کی۔ طویل جنگ اور سخت ہنگاموں کے بعد ان کا وہی حشر ہوا جو ان سے پہلے ان کے ہم مذہبوں کا ہوا تھا۔ انہوں نے اس قدر کثیر تعداد سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا کہ اتنی تعداد کبھی دیکھی نہیں گئی تھی۔ مگر اتنی بڑی تعداد سے اللہ نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہونچایا بلکہ ان کا تمام مال و متاع چھن گیا اور وہ مسلمانوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ (طبری ج ۳ ص ۴۰)
فتح قادسیہ کی خبر پر پورا مدینہ اور عالم اسلام مسرور ہو گیا۔
جب یزدگرد کو مدائن میں ایران کی عظیم الشان فوج کی شکست فاش کی خبر پہونچی تو غم والم کی شدت سے نڈھال ہو گیا۔ اسے مستقبل تاریک نظر آرہا تھا عراق کے بعد ایران سے کیانی اقتدار کے خاتمہ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

بابل اور بہرشیر کی فتح

فتح کے بعد سعد بن ابی وقاص دو ماہ تک قادسیہ ہی میں مقیم رہے یہاں تک کہ ان کا مرض اور سپاہیوں کی تکان دور ہو گئی۔ دربار خلافت سے حکم آیا کہ مدائن کی طرف پیش رفت کی جائے چنانچہ اسلامی لشکر مدائن کی جانب بڑھا مقدمۃ الجیش پر زہرہ بن حیوۃ تھے۔ برس میں ایک ایرانی دستہ سے ان کا مقابلہ ہوا۔ ایرانی سالار زخم کھا کر بابل کی طرف بھاگا جہاں قادسیہ کے مفرورین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ ایرانی سردار فیروزان، ہرمزان، مہران، مہراجان بھی وہیں مقیم تھے۔ برس کے حاکم بسطام نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور اسلامی لشکر کے لئے دریا پر متعدد پل تیار کرا دئے جس سے مسلمانوں نے اپنا لشکر بابل تک پہونچا دیا۔ فیروزان نے بابل سے نکل کر مقابلہ کیا۔ مگر اسلامی افواج کی ہیبت اس قدر غالب تھی کہ حضرت سعد نے آن کی آن میں اسے شکست دے دی فیروزان ہزیمت کے بعد نہاوند بھاگ گیا۔ ہرمزان نے اہواز میں پناہ لی۔ مہران نے مدائن جا کر قیام کیا۔

بابل کے کھنڈرات اس عظیم الشان شہر کی یاد دلا رہے تھے جو کبھی نمرود کا پایۂ تخت اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ اشوریوں کی ثقافت کا مرکز جو اپنی بلند فصیلوں، عظیم الشان عبادت گاہوں، مستحکم برجوں، شاداب باغوں اور خوب صورت محل سراؤں کی بنا پر نعمت و شوکت اور حسن و رعنائی کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ لیکن زوال کی پستیوں نے شہر کو عبرت ناک کھنڈر بنا دیا تھا۔ اب بابل گذشتہ ایام کی عظمت کا ایک فرسودہ نقش تھا۔

اب ایرانی سلطنت کا پایۂ تخت مدائن مسلمانوں کا مرکز نگاہ تھا۔ زہرہ بن حیوۃ اور ہاشم ابن عتبہ مدائن کی طرف بڑھے۔ ساباطہیں ان کا مقابلہ پوران بنت کسریٰ کے شاہی رسالہ سے ہوا۔ جس کے سپاہی روزانہ اس بات کی قسم کھاتے تھے کہ جیتے جی ایران کی حکومت پر زوال نہ آنے دیں گے۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں انہیں شکست ہوئی۔

اسلامی لشکر بہرہ شیر کے قریب پہونچا۔ بہرہ شیر مدائن کا ایک حصہ تھا جو دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر آباد تھا اور اس کے بالمقابل دریا کے مشرقی ساحل پر مدائن کا عظیم الشان شہر آباد تھا۔ بہرہ شیر کے باشندے پہلے ہی خوف زدہ ہو چکے تھے وہ قلعہ بند ہو گئے محاصرہ کر لیا گیا۔ قلعہ مستحکم تھا کئی ماہ محاصرہ قائم رہا۔ یزدگرد کو محاصرہ کے طول پکڑ جانے اور ایرانی فوج کی پست ہمتی سے بڑی مایوسی ہوئی چنانچہ اس نے حضرت سعد کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔

"اگر مسلمان اپنی پیش رفت روک دیں تو بہرہ شیر ان کے حوالہ کر دیا جائے گا۔"

مگر حضرت سعد نے یہ شرط مسترد کر دی۔ اس لئے کہ امیر المؤمنین نے مدائن کی فتح کا حکم دیا تھا اور اب بہرہ شیر فتح ہی ہونے والا تھا۔

قاصد کے جاتے ہی محاصرہ سخت کر دیا گیا۔ اور شدید سنگ باری شروع کر دی گئی۔ لیکن جواب میں بہرہ شیر کی جانب سے ایک تیر بھی نہیں آیا جس سے اندازہ ہو گیا کہ ایرانیوں نے شہر خالی کر دیا ہے چنانچہ اسلامی فوجیں شہر میں

داخل ہوئیں۔ پورا شہر خالی تھا۔ کوچہ و بازار سنسان پڑے تھے وہاں کے تمام لوگ مدائن جا چکے تھے۔

فتح مدائن

۱۵ھ حضرت سعد کی منزل مدائن تھی۔ رات کے آخری پہر اسلامی فوجیں دریائے دجلہ کے کنارے تھیں۔ ایرانیوں نے پل توڑ ڈالے تھے۔ اور کشتیاں ہٹادی تھیں پُر جوش دریا کا پار کرنا بڑا دشوار مرحلہ تھا۔ جب سپیدۂ سحری نمودار ہوا تو دجلہ پار شاہان عجم کا پایۂ تخت مدائن نگاہوں کے سامنے تھا۔

یہ شہر بابل کی تعمیر کے صدیوں بعد آباد ہوا تھا لیکن حسن و رونق اور عظمت و جلال میں کوئی اس کا جواب نہ تھا۔ کئی بار رومیوں نے اس پر قبضہ کیا اور کئی بار اندرونی بغاوتوں نے اس کے امن و سکون کو غارت کیا۔ لیکن زمانے کے انقلابات اس کے جمال و جلال پر اثر انداز نہ ہو سکے یہ شہر ساری دنیا کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کے نام میں انسانی ذہن کے لئے جو ساحرانہ کشش تھی وہ روم اور قسطنطنیہ کے نام میں بھی نہ تھی۔ تہذیب و ثقافت کا یہ گہوارہ مشرق کی رعنائیوں اور عشرت کوشیوں کا مکمل نمونہ تھا۔ مسلمان کل تک جس شہر کو خیال کی نگاہوں سے دیکھتے تھے آج اسے ایک زندہ حقیقت کے روپ میں حیرت و استعجاب کا پیکر بنے دیکھ رہے ہیں۔ شہر کے پر شکوہ عمارتوں کے ہجوم میں دجلہ کے کنارے ایک شاندار عمارت عظمت و شوکت کے جلال آفریں مرقع کی صورت میں انہیں دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ یہ کسریٰ کا سفید محل تھا جسے نوشیرواں نے ۵۵۰ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اور اس کی تعمیر میں رومی، یونانی فن تعمیر کی تمام آرائشیں اور نزاکتیں سمودی تھیں۔ ضرار بن خطاب نے کہا۔

"اللہ اکبر یہ کسریٰ کا سفید محل ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے تم سے وعدہ کیا ہے۔" یہ سنتے ہی مسلمانوں نے تکبیر کے نعرے بلند کئے۔ ان کا جوش جہاد بڑھ گیا۔ وہ جلد تر اس محل میں پہونچ کر صدائے توحید بلند کرنا چاہتے تھے۔

ادھر مسلمانوں کے دل میں مدائن کی جلد تر تسخیر کے خیالات مچل رہے تھے اور مدائن کا منظر ان میں زندگی اور قوت کی جوت جگا رہا تھا۔ ادھر یزدگرد اپنے ایوان میں پریشاں حال بیٹھا تھا محل کی عشرت سامانیاں اس کے ذہنی کرب کو کم کرنے میں ناکام تھیں۔ وسوسوں کی دُنیا میں گُم تھا۔ امید و بیم کی کشمکش اسے ہراساں کر رہی تھی حالانکہ دجلہ طغیانی پر تھا اور اس کی پرشور موجیں اسلامی لشکر کا راستہ روکے ہوئے تھیں خود مدائن میں شاہی لشکر اور وطن پر جان دینے والے فوجی موجود تھے مگر غور و فکر نے اب اسے اس نتیجہ کے قریب کر دیا تھا کہ دجلہ کا چکلہ چوڑا پاٹ، وطن پر جاں نثاری کی سوگند کھانے والی ایرانی فوجیں مسلمانوں سے شہر کو محفوظ رکھنے میں ناکام ثابت ہوں گی۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شاہی بیگمات اور منتخب سامان، خزانہ حلوان پہونچا دیا جائے۔ یزدگرد کے اس حکم نے لشکر و رعیت کی رہی سہی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور وہ اپنی ہمت چھوڑ بیٹھے۔ اس طرح دجلہ دو ایسے لشکروں کے درمیان تیزی سے بہہ رہا تھا۔ جن میں ایک کی قوتیں مضمحل ہو چکی تھیں کوئی حوصلہ باقی نہ تھا اور انجام قسمت کے حوالہ کر دیا تھا اور دوسرا وہ لشکر جس کی معنوی روح بلندی کے نقطہ کمال پر تھی۔ جسے ایمانی قوت نے فتح و کامرانی کا یقین دلا دیا تھا۔

حضرت سعد ساحل دجلہ پر اسے عبور کرنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے لیکن کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ جب کچھ ایرانیوں نے ایک مقام سے دریا عبور کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت سعد نے مسلمانوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا۔

"دشمن نے دریا کو اپنی سپر بنایا ہے تم اس میں سے گذر کر اس کی طرف نہیں جا سکتے لیکن وہ جب چاہے کشتیوں پر بیٹھ کر تم پر حملہ آور ہو سکتا ہے تمہاری پشت پر کوئی خوف نہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ دنیا تمہیں گھیرے تم قدم بڑھا کر دشمن پر حملہ کر دو۔ میں عزم کر چکا ہوں کہ دریا پار کر کے ان تک

پہونچوں گا۔" (الفاروق ۲ صفحہ ۲۲)

حضرت سعد کی آواز پر عاصم بن عمرو نے اپنے چھ سو ساتھیوں کے ساتھ چڑھتے ہوئے دریا کا سینہ چاک کر کے پار اترنے کا عزم مصمم کر لیا۔ اور اپنے جانباز سپاہیوں کو لے کر پانی میں کود پڑے اور یہ آیت پڑھی۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا ۝ جب تک حکم الٰہی نہ ہوگا کوئی مر نہیں سکتا اس لئے کہ اس نے وقت مقرر لکھ دیا ہے۔"

قعقاع نے جب مسلمانوں کی پہلی ٹکڑی کو دریا پار کرتے ہوئے دیکھا جن کے مقابلے کے لئے ایرانی لشکر کنارے پر منتظر ہے تو فرط جوش میں اپنے چھ سو سواروں کو لے کر دریا میں اتر پڑے۔ اس طرح بارہ سو مجاہدین اسلام موجوں کا سینہ چیرتے ہوئے دریا کے وسط میں پہونچے۔ جب ایرانیوں نے روکنا چاہا تو عاصم نے تیر اندازی کا حکم دے دیا۔ اس طرح ایرانی سوار ان کے پاس نہ پہونچ سکے اور مسلمان شان بے نیازی کے ساتھ تلاطم خیز موجوں سے ٹکراتے ہوئے دوسرے کنارے پر پہونچ گئے۔ یہ حیرت انگیز جواں مردی دیکھتے ہی واہمہ پرست، شکستہ خاطر ایرانی یہ کہتے ہوئے حلوان کی طرف بھاگے۔

"دیواں آمدند، دیواں آمدند۔"

جب عاصم اور قعقاع دجلہ کے مغربی کنارے پر پہونچ گئے تو حضرت سعد نے تمام اسلامی فوج کو دریا میں گھوڑے ڈالنے کا حکم دیا۔ تمام سپاہی سوار ایک دوسرے کی رکاب سے رکاب ملائے بے فکری کے ساتھ دریا پار کر رہے تھے اس طرح اسلامی لشکر بغیر کسی نقصان کے پار اتر گیا۔

یزدگرد نے حالات کی ناسازگاری محسوس کرتے ہوئے پہلے ہی خزانہ سازوسامان اور شاہی حرم حلوان بھجوا دیا تھا۔ جب مسلمانوں نے دریا پار کر لیا تو وہ خود بھی ایرانی لشکر کے ساتھ حلوان چلا گیا۔ پورا شہر خالی ہو چکا تھا کچھ لوگ قلعہ میں تھے۔ حضرت سعد لشکر لئے ہوئے قلعہ میں داخل ہوئے۔ اور

کسریٰ کے عظیم الشان محل کے عجائب و نوادر کا جائزہ لیتے ہوئے یہ آیت پڑھی۔

کم ترکوا من جنّٰت	کافر بہت سے باغات، چشمے، کھیت
وعیون ۝ وزروع ومقام کریم	عمدہ مکانات اور سامان عیش چھوڑ گئے۔
ونعمۃ کانوا فیہا فٰکہین	جن میں وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے
کذٰلک اورثنٰہا قوما	تھے۔ اس طرح ہم نے ایک دوسری قوم کو
اٰخرین ۝ (الدخان آیت نمبر ۲۷)	ان کا وارث بنایا۔

حضرت سعد نے ایوان کسریٰ میں صلوٰۃ الفتح ادا فرمائی۔ ایوان کسریٰ کے وسیع ہال میں جس کی لمبائی ۱۶۴ قدم چوڑائی ۸۲ قدم اور بلندی تقریباً ۱۰۵ فٹ تھی جس کی چھت پر ایک نیلا گنبد تھا جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے یہ وہی ایوان تھا جس میں بیٹھ کر یزدگرد نے اسلامی سفارت کے سامنے عربوں کا ذکر تحقیر آمیز لہجہ میں اور ایرانیوں کا تذکرہ بڑے فخر و مباہات کے ساتھ کیا تھا لیکن زمانہ کا انقلاب دیکھو! وہی حقیر عرب فاتح کی حیثیت سے اس میں کھڑے تھے۔ شہنشاہ ایران اور اُس کے درباریوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

مسلمانوں نے قلعہ و شہر کے محلات اور ایوانِ شاہی کے ساز و سامان اکٹھا کرنے شروع کر دیئے تین روز کے بعد تمام اموال غنیمت ایوان شاہی کے وسیع ہال میں لا کر رکھ دیئے گئے جن سے نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ سونے چاندی کے پیالے، شاہان ایران کے مرصّع تاج، منقش ملبوسات، شاہی اسلحے جن کے دستے بیش قیمت جواہرات سے مزیّن تھے۔ لا تعداد اشیاء بے شمار نوادر جنہیں دیکھ کر سادہ معاشرت رکھنے والے عرب حیران و ششدر تھے۔

ان اموالِ غنیمت میں ایک سونے کا گھوڑا تھا جس پر چاندی کی زین کسی تھی جو یاقوت و زمرد سے مرصّع تھا۔ سوار چاندی کا جس کے سر پر جواہر کا تاج تھا۔ ایک خالص سونے کی اونٹنی تھی جس کی مہار، پالان سب سونے کے تھے ناقہ سوار بھی سونے کا تھا جو سرتاپا جواہرات سے مرصّع تھا۔

ایک ساٹھ گز لمبا ۶ گز چوڑا قالین تھا جو ایرانی کاری گری کا لاثانی نمونہ تھا۔ جس کی زمین سونے، سبزہ زمرد کا، جدولیں پکھراج کی، درخت سونے چاندی کے، پتے حریر کے، پھل جواہرات کے اور نہریں موتیوں کی بنی ہوئی تھیں یہ فرش اس لئے تیار کیا گیا تھا کہ بہار کا موسم گذر جانے کے بعد آل ساسان اس پر بیٹھ کر شراب نوشی کریں۔ فصل خزاں کی بے کیفی ان کی محفل سرور کو بے کیف نہ کرے ـــــ مشک، کافور اور دوسری خوشبودار اشیاء بڑی مقدار میں تھیں۔

حضرت سعد نے خمس نکال کر باقی مال مجاہدین پر تقسیم کر دیا ہر سوار کے حصے میں بارہ ہزار درہم آئے۔

خمس کے ساتھ فرش بہار اور دیگر قدیم یادگاریں بجنسہٖ مدینہ بھیج دی گئیں۔ حضرت عمر نے کسریٰ کا لباس سراقہ بن جعشم کو پہنایا اور ہتھیار لگوائے اور شاہی تاج سر پر رکھ کر فرمایا۔

" اللہ اللہ بنو مذلج کا ایک اعرابی اور اس کے جسم پر کسریٰ کا یہ پرکیف شاہانہ لباس"۔

حضرت سعد نے قصر مدائن میں سکونت اختیار کی۔ ایوانِ شاہی کو مسجد بنا لیا تھا جس میں ہر جمعہ کو نماز جمعہ ادا کرتے۔ عام مسلمان مدائن کے خالی مکانات میں سکونت پذیر ہو گئے۔

یزدگرد حلوان میں ہی پڑا تھا غم اس کے دل کی رگیں کاٹ رہا تھا اور مایوسی اس کا کلیجہ کھا رہی تھی۔ ایران کی عظمت رفتہ جب اسے یاد آتی تو اس کے غم میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ وہ سوچتا وہ دن کہاں گئے جب اس کے اسلاف نے ایران سے چل کر عراق پر یلغار کی تھی اور سارا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ سلجوقیہ اور طیسفون کو ملا کر مدائن کے نام سے ایک نیا شہر بنا دیا تھا۔ وہ دن کہاں گئے جب اس کے آباؤ اجداد کا سرۂ بنی ساسان نے تمام دنیا کو پامال کر کے رکھ دیا۔

آج وہ ایک ایسا برگشتہ قسمت بادشاہ ہے جسے شکست دے کر اس کے پایۂ تخت سے نکال دیا گیا ہے اور وہ بزدلوں کی طرح حلوان میں بیٹھا ہوا ہے۔

فتح جلولہ ۱۶ھ ۶۳۷ء

مدائن سے فرار ہونے والا لشکر جلولہ میں مقیم تھا۔ یزدگرد کے بھائی خرزاد نے بکھری ہوئی ایرانی قوت کو مجتمع کیا شہر کے گرد گہری خندق کھدوادی۔ ایرانی جلولہ میں ایک آخری جنگ لڑنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر فتح حاصل ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے دوبارہ عراق کو حاصل کرلیں گے ورنہ ہمیشہ کے لئے اس سے دست کش ہوجائیں گے حضرت سعد نے ایرانیوں کے تازہ عزائم کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجی۔ فاروقی حکم کے مطابق حضرت سعد نے ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں ایک لشکر جلولہ کی طرف روانہ کیا۔ مقدمۃ الجیش پر قعقاع، میمنہ پر معاذ بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک اور ساقہ پر عمرو بن مُرّہ افسر مقرر کئے گئے اسلامی لشکر چار روز میں مدائن سے جلولہ پہونچا۔ اسی روز تک محاصرہ قائم رہا اثنائے محاصرہ میں ایرانی وقتاً فوقتاً نکل کر مقابلہ کرتے۔ حلوان سے یزدگرد مسلسل کمک بھیج رہا تھا۔ یہ معرکہ بڑا ہی سخت تھا ایرانی فوج فیصلہ کن جنگ کے لئے باہر نکلی۔ آخر لڑائی کے دن قدرتی اسباب نے مسلمانوں کی اعانت کی عین لڑائی کے وقت سخت آندھی آئی پوری فضا تاریک ہوگئی ایرانی گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ ہزاروں ایرانی خندق میں گر پڑے ایرانیوں نے اپنے آدمیوں کی واپسی کے لئے جا بجا خندق پاٹ کر راستہ بنا لیا تھا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو اسی راستہ سے تعاقب کیا فصیل کے قریب پہونچ گئے۔ ایرانی سنبھلے پھر شدید جنگ شروع ہوگئی۔ حملہ کرتے ہوئے قعقاع پھاٹک کے پاس پہونچ گئے مسلمانوں نے پوری شدت کے ساتھ حملہ کرکے ایرانیوں کو پسپا کر دیا۔ وہ بھاگے تو مسلمانوں نے عقب سے انہیں تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ میدان لاشوں سے پٹ گیا۔ اس معرکہ میں ایک لاکھ ایرانی کام آئے۔ باقی ماندہ ایرانیوں نے حلوان کا رخ کیا قعقاع

نے ان کا تعاقب کیا۔ خانقین کے مقام پر مہران کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ فیروزان بھاگ کر حلوان پہونچا اور یزدگرد سے جلولہ کے معرکوں اور عبرت ناک شکست کا حال بیان کیا۔ یہ بڑی ہی منحوس خبر تھی جس نے یزدگرد کے حواس گم کر دئے اور ہر طرف مایوسیاں نظر آنے لگیں چنانچہ اس نے حلوان چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

فتح حلوان

خسرو شنوم کو حلوان کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور خود رے چلا گیا۔ حضرت سعد کے حکم سے قعقاع حلوان کی طرف بڑھے۔ حلوان سے پہلے قصر شیریں کے قریب خسرو شنوم نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر بھاگ گیا۔ قعقاع حلوان پہونچے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔

جلولہ اور حلوان کا مال غنیمت مدائن سے کم نہ تھا۔ جنگی ہتھیار، لونڈی غلام اور وہ نوادر جو ایرانی مدائن سے لے کر بھاگ آئے تھے ملے۔ حضرت سعد نے جلولہ اور حلوان کا خمس اور پیغام فتح زیاد بن ابی سفیان کے ذریعہ مدینہ بھیجا۔ زیاد نے جلولہ اور حلوان کی فتح کے حالات فصاحت و بلاغت سے بیان فرمائے۔

حضرت عمر نے فرمایا کیا اسی طرح یہ حالات مجمع عام میں بیان کر دگے؟۔

جواب دیا۔ ضرور۔

چنانچہ زیاد نے برسرِ عام لڑائی کے حالات ایسے حسین و دل نشین اسلوب میں بیان کئے کہ جنگ کی تصویر آنکھوں میں کھنچ گئی۔ اور حضرت عمر نے فرمایا "واللہ یہ زبان آور خطیب ہے"۔

حضرت سعد نے ایران میں پیش رفت کی اجازت طلب کی تھی جس کے کے جواب میں حضرت عمر نے لکھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ سواد اور پہاڑ کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہو جائے کہ نہ وہ ہماری طرف آسکیں نہ ہم ان کی طرف جا سکیں۔ ہمارے لئے سواد کا علاقہ ہی کافی ہے۔ میں مسلمانوں کی سلامتی کو مالِ غنیمت پر ترجیح دیتا ہوں۔" (الفاروق عمر صہ ۲۳۵)

جزیرہ کی فتح

حلوان سے نکلنے کے بعد یزدگرد نے رَے کو ایران کی راجدھانی بنانا چاہا۔ مگر ابان جاذویہ حاکم رَے نے بے وفائی کی تو یزدگرد اصفہان، کرمان ہوتا ہوا خراسان پہونچا اور مَروُ میں داخل ہوا۔ آتش کدہ تیار کرایا از سرِ نو حکومت کے شعبے قایم کئے۔ ملکی انتظام و انصرام کو بحال کر کے اپنے ماتحت صوبوں میں فرامین و نقیب بھیجے جنہوں نے ایرانی عوام کو اطمینان دلایا۔ ان کے اندر نسلی و قومی جوش و خروش پیدا کرنے کی کوشش کی۔ عربوں کے خلاف نفرت کے جذبات برانگیختہ کئے تاکہ ایران کو عرب حملوں سے محفوظ رکھا جاسکے اور موقع پاکر کھویا ہوا اقتدار بحال کر لیا جائے۔ پیہم شکستوں کے بعد ایک بار پھر ایرانی حمیت جاگ اٹھی اور ہر صوبے دار نے اپنے تئیں عربوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں سب سے پہلے جزیرہ والوں نے ہتھیار سنبھالا۔ یہ علاقہ دجلہ و فرات کے مابین واقع ہے۔ اس کے حدود میں آرمینیہ اور ایشیاء کوچک کے کچھ حصے آتے ہیں اس کے اہم شہر تکریت کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی۔ سعد کو معلوم ہوا کہ تکریت میں ایرانی فوج مجتمع ہو رہی ہے۔ حضرت عمر کو حالات سے باخبر کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن مطعم کو پانچ ہزار سواروں کے ساتھ تکریت کی طرف روانہ کیا۔ ایرانیوں نے تکریت کے مستحکم قلعہ کے گرد گہری خندقیں کھود رکھی تھیں۔ ان کی حمایت میں علاقہ کے عرب قبائل تغلب، نمر، ایاد کے نصرانی بھی تھے چالیس روز تک محاصرہ رہا چوبیس بار ایرانیوں نے قلعہ سے نکل کر جنگ کی عبداللہ بن مطعم نے ان کی عرب عصبیت کو بیدار کر کے درپردہ نامہ و پیام جاری کیا یہ قبائل عجمیوں کی غلامی سے نکلنے کے لئے آمادہ ہو گئے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اب نقشہ جنگ اس طرح تیار کیا گیا کہ جب مسلمان ایرانیوں پر حملہ کریں تو تکریت کے عرب قبائل پشت سے ان پر دھاوا بول دیں۔ جب جنگ شروع ہوئی عقب سے عربوں کے زبردست حملوں نے انہیں بدحواس کر دیا۔ افراتفری مچ گئی کافی ایرانی مارے

گئے قلعہ فتح ہوگیا۔ یہ جنگ ۱۶ھ ۶۳۷ء کے اواخر میں ہوئی۔
فتح تکریت کے بعد جزیرہ کے دوسرے مقامات کی تسخیر کے لئے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا۔ جنہوں نے ۱۷ھ میں شہر رُہا کو فتح کرلیا۔ دوسرے جاں بازوں نے کچھ ہی دنوں میں پورے علاقے کو اس طرح فتح کرلیا کہ رقہ کو سہل بن عدی۔ نصیبین عبداللہ بن عثمان، ماسندان، ضرار بن خطاب، ہیت عمرو بن مالک نے فتح کرلیا۔ عقبہ بن ولید نے جزیرہ کے مزید مقامات فتح کرلئے۔ اب پورا جزیرہ اسلامی پرچم کے سایہ میں آگیا۔
جزیرہ کی جنگ کے دوران عرب نصرانیوں نے ترک وطن کرکے رومی علاقوں میں پناہ لی تھی جب علاقہ میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو انہوں نے دوگنا ٹیکس ادا کرنے کی شرط پر دوبارہ اپنے آبائی وطن کو مراجعت کی۔

بصرہ و کوفہ کی تعمیر ۱۴ھ میں عتبہ بن عزوان نے اُبلہ پر چڑھائی کی فتح کے بعد عتبہ نے حضرت عمر کو لکھا۔ "مسلمانوں کے لئے ایک ایسی قرار گاہ کی ضرورت ہے جہاں وہ سردی سے محفوظ رہ سکیں اور جنگ سے واپس آکر آرام کریں۔"
حضرت عمر نے جواب دیا۔ "اپنے ساتھیوں کو پانی اور سبزہ زار کے قریب کرلو پھر مجھے اس کی مفصل کیفیت لکھو۔ عتبہ نے پوری تفصیلات تحریر کیں تو حضرت عمر نے بصرہ کے محل وقوع کو پسند فرمایا اور لوگوں نے وہاں پہونچ کر کچے مکانات بنالئے۔ بعد میں یہاں پختہ مکانات تعمیر کرلئے گئے یہ مقام خلیج فارس سے متصل ہے۔
مدائن، جلولہ، حلوان، تکریت میں آباد مسلمانوں کی صحت پر وہاں کی آب و ہوا کا منفی اثر پڑا جسے حضرت عمر نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور حضرت سعد کو لکھا کہ عربوں کو وہی آب و ہوا راس آئے گی جو ان کے اونٹوں کو آئے گی۔ لہٰذا کوئی ایسا خطہ تلاش کرو جسے خشکی اور تری سے یکساں تعلق ہو اور

میرے اور اس کے درمیان کوئی دریا حائل نہ ہو۔"

حضرت سعد نے **سلمان اور حذیفہ** کو کسی مقام کی تجویز کا حکم دیا۔ چنانچہ ان دونوں نے حیرہ کے قریب دریائے فرات سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک سرسبز و شاداب مقام منتخب کیا جسے حضرت عمر نے پسند فرمایا۔ حضرت سعد نے ۱۷ھ میں ایک شاندار مسجد تعمیر کی اس کے قریب بازار قائم کی اور پھر عرب قبائل نے اپنی اپنی پسند کے مطابق محلے آباد کئے۔ مسجد سے قریب ہی ایک محل تعمیر کیا گیا جو بیت المال بھی تھا اور امیر کوفہ کی اقامت گاہ بھی۔ کوفہ کی آب وہوا عربوں کو راس آئی سب کی صحتیں بحال ہوگئیں کچھ ہی دنوں بعد یہ شہر ایک عظیم مرکز بن گیا اور حیرہ و مدائن کی ساری عظمتیں خاک میں مل گئیں۔

ان دونوں شہروں کی تعمیر کا بنیادی مقصد ایرانیوں کے حملوں سے عراق کی حفاظت اور ایرانی علاقوں میں پیش رفت کے لئے فوجیں فراہم کرنا تھا چناں چہ ان دونوں شہروں میں بکثرت عربی قبائل آباد ہوئے۔ عراق کو ان دو ولایتوں میں تقسیم کر دیا گیا — سعد اور عتبہ کوفہ و بصرہ کی ترقی اور عراق کی تنظیم میں مصروف ہوگئے۔

خوزستان کی فتح ۱۶ھ

حضرت عمر نے اندرون عجم فوجی پیش رفت کو روک دیا تھا۔ وہ عراق عرب کی سرحدوں کو مستحکم کر کے مسلمانوں کو ایرانیوں کے حملے سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے مگر ایرانیوں نے اس بات کو مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کیا۔ خوزستان و فارس کے امراء نے یزدگرد کی شہ پر بغاوتوں اور شر انگیزیوں کے لئے لوگوں کو آمادہ کر دیا۔

ایرانی سالار ہرمز، قادسیہ سے فرار ہو کر خوزستان چلا آیا تھا اس کی تگ و دو میں یہ علاقہ ایرانی شرپسندوں کا مرکز بن گیا تھا۔ یہاں کے مشہور شہر اہواز، منازر، سوس، رامہرز، تستر، نہر تیری تھے۔ چونکہ بصرہ سے **خوزستان** کا علاقہ ملا ہوا تھا جہاں شرپسند ایرانیوں کی حکومت تھی بصرہ میں دائمی **امن**

کے لئے خوزستان کو زیر کرنا ضروری تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ۱۶ھ میں خوزستان کے سب سے بڑے شہر اہواز پر حملہ کیا تھا ہرمز نے کچھ رقم دے کر صلح کر لی۔ ۱۷ھ میں جب ابو موسیٰ والئ بصرہ بن کر آئے تو ہرمزان نے بغاوت کی ابو موسیٰ نے معمولی جنگ کے بعد شہر فتح کر لیا۔ اس کے بعد ابو موسیٰ مناذر کی طرف بڑھے۔ شہر کا محاصرہ کیا۔ مہاجر بن زیاد کی شہادت کے بعد ان کے بھائی ربیع کو افسر مقرر کر کے یہاں کے محاصرہ پر چھوڑ کر سُوس کی جانب بڑھے۔ ربیع نے قلعہ فتح کر لیا۔ سوس کے حاکم نے سو آدمیوں کی جاں بخشی کے عوض قلعہ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔

پھر نعمان بن مقرن رامہرز کی طرف بڑھے ہرمزان کو جب ان کی آمد کا علم ہوا تو ایک بہت بڑا ایرانی لشکر لے کر اربک پہونچا اور مسلمانوں پر شدید حملہ کر دیا اسے توقع تھی کہ مسلمان اس حملہ کی تاب نہ لا سکیں گے مگر مسلمانوں نے ایرانیوں کا منھ توڑ جواب دیا اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ ہرمزان کا خیال غلط ثابت ہوا اور وہ اربک سے رامہرز پھر تستر جا کر فوجی تنظیم میں مصروف ہو گیا۔ نعمان نے آگے بڑھ کر رامہرز پر قبضہ کر لیا۔

فتح تستر

ہرمزان کو اس بات کا یقین تھا کہ تستر کی مضبوط فصیلوں میں قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کا اچھی طرح مقابلہ کر سکے گا۔ چناں چہ ایک بڑی جمعیت اپنے گرد اکٹھا کر لی۔ نعمان بن مقرن تستر پہونچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ابو موسیٰ اشعری بھی وہاں پہونچے اور شریک محاصرہ ہو گئے۔ لیکن ایرانی فوج قلعہ کے گرد گہری خندق کھود کر مطمئن تھی۔ کئی ماہ تک محاصرہ قائم رہا پھر دربار خلافت سے والئ کوفہ عمار بن یاسر کو فوجی امداد کا حکم ہوا۔ جب وہ اپنی فوج لے کر تستر پہونچے تو مسلمانوں نے محسوس کیا کہ اب فصیل کا گھیرا ڈالے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے شہر پر حملہ کر دینا چاہئے جب ہرمزان کو مسلمانوں کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے بھی اپنی فوج کو

شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کا حکم دے دیا اسے فتح کا کامل یقین تھا۔ گھمسان کا رن پڑا براء بن مالک جو شجاعت و بہادری میں ممتاز تھے ہرمزان کی طرف بڑھے اور اس پر وار کر دیا۔ ہرمزان نے وار خالی دیا اور ایک ہی ضرب میں براء کو شہادت کا جام پلا دیا۔ براء کا انتقام لینے کے لئے مجزاہ بن ثور نکلے مگر وہ بھی شہادت پا گئے لیکن قابل فخر شجاعان اسلام کی شہادت کے باوجود مسلمانوں کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ غروب آفتاب تک جنگ ہوتی رہی۔ بالآخر ایرانی پھر قلعہ بند ہو گئے۔

دوسرے دن کوئی ایرانی جنگ کے لئے باہر نہ آیا اس لئے کہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ تستر فتح کئے بغیر یہاں سے نہ جائیں گے۔ سارا شہر ایرانی فوج سے پٹا ہوا تھا اور لڑائی طول کھینچ چکی تھی۔ . . . . ایک دن ایک ایرانی چھپ کر قلعہ سے باہر آیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری سے امان چاہی انہوں نے اس شرط پر امان دی کہ وہ شہر میں داخل ہونے کا کوئی ایسا راستہ بتائے جس سے شہر فتح ہو سکے اس نے بتایا کہ پانی کے راستے سے شہر میں داخل ہونا ممکن ہے۔ چنانچہ ابو موسیٰ نے اشرس بن عوف شیبانی کو اس کے ہمراہ کر دیا۔ ایرانی انہیں لے کر نہر وجیل سے گزر کر سرنگ کے راستہ سے شہر میں داخل ہو گیا اور اشرس کو نوکروں کا لباس پہنا کر تستر کے بازاروں، گلی کوچوں میں پھرایا۔ اشرس واپس آئے۔ اب حضرت ابو موسیٰ نے چالیس جانباز اشرس کے ساتھ اور دو آدمی ان کی مدد پر روانہ کئے یہ لوگ رات کی تاریکی میں کامیابی کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور پہرے داروں کو قتل کر دیا۔ فصیلوں پر چڑھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ہرمزان نے یہ منظر دیکھا تو اپنے قلعہ میں بھاگ گیا۔ ایرانیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مسلمانوں نے ہرمزان کو محاصرہ میں لے لیا پوچھا اب تم کیا چاہتے ہو؟ . . . . . بولا میں اسی شرط پر تم کو اپنے حوالہ کر سکتا ہوں کہ تم مجھ کو عمر کے پاس پہونچا دو۔ وہ میرے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں۔ مسلمانوں نے یہ شرط قبول کر لی اور اسے گرفتار کر کے انس بن مالک

اور احنف بن قیس کے ساتھ مدینہ بھیج دیا گیا۔ حضرت عمر نے ہرمزان سے بار بار عہد شکنی اور بغاوت کا سبب پوچھا۔ اسے اپنے قتل کا یقین ہو چکا تھا اس لئے ایک چال چلی۔ پانی مانگا۔ پیالہ دیا گیا تو اس نے کہا ایسا نہ ہو کہ پانی پینے کی حالت میں ہی قتل کر دیا جاؤں۔ حضرت عمر نے فرمایا جب تک تم پانی نہیں پی لو گے قتل نہیں کئے جاؤ گے اس نے پیالہ گرا دیا اور کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں امان لینا چاہتا تھا وہ مل گئی۔ حضرت عمر نے کہا میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ اس نے کہا آپ تو مجھے امان دے چکے ہیں۔ حاضرین نے کہا امیرالمؤمنین آپ نے جو الفاظ اس سے فرمائے تھے اس کو امان مل گئی۔ امان پانے کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ اور اسے مدینہ میں رہنے کی اجازت مل گئی۔

ہرمزان کی گرفتاری کے بعد ایرانی سپر انداز ہو گئے۔ مسلمانوں نے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ خمس علیحدہ کر کے مال غنیمت تقسیم ہوا۔ ہر سوار کے حصہ میں تین ہزار اور پیادہ کے حصہ میں ایک ہزار درہم آئے۔

تستر خوزستان کا دارالسلطنت تھا جو اہواز کے شمال میں نہر کارون کے کنارے آباد تھا جسے ایران کا مستحکم ترین اور قوی ترین قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ یزدگرد نے ہرمزان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ خوزستان اور جنوبی فارس کا علاقہ اس کے حوالہ کر دے گا۔ یہی وجہ تھی کہ ہرمزان نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ مگر مقصد میں ناکام رہا۔

جندی سابور کی فتح

شوشتر کی فتح کے بعد جندی سابور پر لشکر کشی ہوئی ۲۴ دن تک شہر کا محاصرہ رہا ایک دن شہر والوں نے دروازے کھول دئے اور زندگی کے معمولات میں مصروف ہو گئے۔ ابوموسیٰ کو حیرت ہوئی تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ ایک مسلمان غلام نے شہر والوں کو امان نامہ لکھ کر دے دیا ہے۔ اہم معاملہ تھا دربار خلافت سے رجوع کیا گیا حضرت عمر نے لکھا مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے

چکے۔ اور اس امان نامہ کا احترام کیا جائے گا۔

فتوحاتِ ایران

عراق عرب کی فتوحات کے بعد مسلمان آگے بڑھنا نہ چاہتے تھے۔ مگر ہرمزان کی جنگی تیاریوں نے انہیں خوزستان میں جنگی سلسلہ شروع کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور ایرانیوں کو ان معرکوں میں سخت ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا جس سے یزدگرد کو اندیشہ لاحق ہوا کہ عراق عجم کے حدود مجاہدین اسلام کی یلغار سے محفوظ نہ رہ سکیں گے چنانچہ اس نے عظیم جنگی تیاریوں کا عزم کر لیا۔ سلطنت کسریٰ کا قدیم دبدبہ تو ختم ہو چکا تھا لیکن ایرانیوں میں عربوں کے خلاف نفرت کے شدید جذبات موجود تھے چنانچہ یزدگرد کے نقیب طبرستان، جرجان، نہاوند، رے، اصفہان، ہمدان سندھ، خراسان پہونچے تو قومی غیرت نے ان کے دلوں میں جنگ کا حوصلہ پیدا کر دیا۔ اور دیکھتے دیکھتے ڈیڑھ لاکھ کا عظیم لشکر تیار ہو گیا۔ فیروزان کی سربراہی میں یہ لشکر قم میں آکر فروکش ہو گیا۔

دربارِ خلافت میں ایرانیوں کے جنگی عزائم کی خبر پہونچی تو فاروق اعظم نے مجلسِ شوریٰ طلب کر کے خود ایرانی محاذ پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف نے اختلاف کرتے ہوئے کہا" آپ کا جانا مناسب نہیں ایرانیوں کے مقابلے کے لئے عرب سردار شہسوار موجود ہیں جنہوں نے دشمنوں کو منتشر کیا ہے۔ ان کے بادشاہوں کو قتل کیا ہے اور بڑی جنگوں کو سر کیا ہے آپ ان کو جنگ کی اجازت دیں ۔ حضرت علی نے ان بزرگوں کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا۔

اے امیر المؤمنین! اس جنگ میں کامیابی و ناکامی کا دارومدار فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے بلکہ یہ دینِ الٰہی ہے جس کو خدا نے غالب کیا اور یہ اسی

کا لشکر ہے جسے عزت دی گئی ہے اور فرشتوں کے ذریعے جس کی معاونت کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ یہ اسلامی لشکر اس حالت میں پہونچ گیا ہے۔ اللہ نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور وہی اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور اپنے لشکر کی مدد فرمائے گا مسلمانوں میں آپ کے مقام کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ہار کی لڑی میں مرکزی دانہ کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے نظام کو قائم رکھتا ہے۔ اس کے منتشر ہونے سے سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اہلِ عرب قلیل ہیں مگر اسلام کا شرف حاصل کرنے کی وجہ سے ان کی یہ تعداد کافی ہے۔ اس لئے آپ یہیں قیام فرمائیں اور اہلِ کوفہ کو جنگ کا حکم دیں۔ کیوں کہ وہ عرب کے ممتاز سردار ہیں ان کا ایک تہائی حصّہ کوفہ میں رہے دو تہائی حصہ دشمنوں کے مقابلے کے لئے روانہ ہو آپ اہلِ بصرہ کو بھی تحریر فرمائیں کہ وہ اپنی فوج کا ایک حصہ بطور امداد روانہ کریں۔
(طبری ج ۴ ص ۲۱۱)

حضرت عمر نے رائے قائم کرلی اور نعمان بن مقرن مزنی کو امیرِ لشکر نامزد فرمایا اور انہیں پیش رفت کا حکم دیتے ہوئے لکھا۔

"مجھے خبر ملی ہے کہ اہلِ عجم کا ایک بڑا لشکر تمہارے مقابلے کے لئے شہر نہاوند میں جمع ہو گیا ہے۔ تم تائیدِ الٰہی کے سایہ میں مسلمانوں کا لشکر لے کر روانہ ہو جاؤ انہیں دشوار گذار راستوں سے نہ لے جاؤ جس سے انہیں تکلیف ہو۔ ان کی حق تلفی نہ کرو اور نہ انہیں دلدل سے گزارو اس لئے کہ مسلمانوں کا ایک فرد میرے نزدیک ایک لاکھ دینار سے زیادہ بہتر ہے۔ (ایضاً ص ۲۰۳)

نعمان بن مقرن نے دربارِ خلافت کا حکم پاکر جنگی تیاریاں شروع کردیں طُلیحہ اور عمرو بن معدیکرب کو ایرانی علاقوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا طلیحہ نہاوند تک چلے گئے۔ واپس آکر نعمان کو بتایا کہ نہاوند تک کا راستہ صاف ہے۔ نعمان نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر مرتب کرلیا جس میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی اور معزز لوگ شامل تھے۔ جن میں حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن عمر

جریر بجلی، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن معدیکرب طلیحہ قابل ذکر ہیں۔ نعمان نے اسلامی لشکر کے مقدمہ الجیش پر نعیم بن مقرن کو میمنہ پر حذیفہ بن الیمان، میسرہ پر سوید بن مقرن پیادہ فوج کے قائد قعقاع۔ ساقہ پر مجاشع بن مسعود کو مامور کر کے کوچ کیا نہاوند سے نو میل کے فاصلے پر مقام اسپندہان میں قیام کیا۔

فیروزان ڈیڑھ لاکھ پرجوش ایرانیوں کے ساتھ قلعہ نہاوند میں مقیم تھا اور اس نے قلعہ کے اطراف و جوانب میں دور دور تک لوہے کے کانٹے بچھا دیئے تاکہ اسلامی لشکر آگے نہ بڑھ سکے اور قلعہ کے سامنے اتنی زمین باقی رکھی کہ جب چاہے باہر نکل کر مقابلہ کر سکے۔

اسلامی لشکر جنگ کے لئے آگے آیا تو اسے لوہے کے گوکھرو دیکھ کر سخت پریشانی ہوئی انسان تو انسان گھوڑوں کے پاؤں بھی زخمی ہو جاتے۔ ایرانی موقعہ دیکھ کر قلعہ سے نکلتے اور کچھ دیر لڑ کر قلعہ بند ہو جاتے۔ مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ جنگ طول پکڑے گی اور اس کا انجام خراب ہو گا۔

نعمان بن مقرن نے مشورہ کے لئے اہل الرائے افراد کو طلب کیا۔ طلیحہ بن خویلد نے رائے دی کہ کل صبح مسلمانوں کا ایک دستہ ایرانیوں سے لڑنے کے لئے جائے اور کچھ دیر بعد پیچھے ہٹتا ہوا اسلامی لشکر کے پاس آجائے۔ ایرانی موقعہ غنیمت جان کر اسلامی لشکر تک آجائیں گے پھر ان پر چاروں طرف سے اچانک حملہ کر دیا جائے۔

طلیحہ بن خویلد کے مشورہ کے مطابق پوری فوج محاذ جنگ سے چھ سات میل کے فاصلہ پر بھیج دی گئی قعقاع اپنے دستہ کے ساتھ شہر پر حملہ آور ہوئے ایرانی شہر سے باہر نکل آئے گوکھروں کو پار کر کے وہ کھلے میدان میں آگئے قعقاع تھوڑی دیر تک بڑی بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے پھر اپنی فوج کو لے کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے اور ایرانی تعاقب کرتے رہے اس خوف سے کہ مسلمان پلٹ کر حملہ نہ کر دیں لوہے کے کانٹے بچھاتے جاتے اب پوری ایرانی

فوج کھلے میدان میں آ چکی تھی وہ موقع غنیمت جان کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دینا چاہتے تھے۔ تیزی کے ساتھ آ گے بڑھتے رہے یہاں تک کہ اسلامی لشکر کے قریب پہونچ گئے۔ دن ڈھلنے کے بعد نعمان بن مقرن نے جنگ کرنے کا حکم دیا مجاہدین اسلام نے ایرانیوں پر شدید حملہ کر دیا ایرانی بہادروں نے بھی قدم جما کر لڑنا شروع کر دیا گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ زمین پر خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ گھوڑے پھسلنے لگے سپہ سالار اسلام نعمان کا گھوڑا بھی پھسلا اور وہ زمین پر گرے پہلے ہی سے زخمی تھے ایک تیر آ کر ان کی ران میں پیوست ہو گیا اور اسلام کا جانباز سالار شہادت پا گیا۔ ان کے بھائی نعیم نے علم لے لیا اور جنگ پوری شدت کے ساتھ جاری رہی جب تاریکی پھیلی تو ایرانیوں کے حوصلے جواب دے گئے اور وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹنے لگے۔ ان کے بچھائے ہوئے آہنی کانٹے ان کو بُری طرح زخمی کرنے لگے۔ بد حواسی میں وہ خندق میں گر کر ہلاک ہونے لگے مسلمان مفرور ایرانیوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے قلعہ کی طرف بڑھے۔ فیروزان بھاگتا ہوا قتل ہوا مورخین کے بیان کے مطابق اسّی ہزار ایرانی خندق میں گر کر ہلاک ہوئے اور بیس ہزار میدان جنگ میں مارے گئے۔ باقی فوج ہمدان چلی گئی۔

قعقاع بھی ہمدان پہونچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا حاکم شہر کو جب فیروزان کی شکست ـــــــ کا علم ہوا تو اس نے صلح کر لی۔ قعقاع جب واپس ہوئے تو دیکھا کہ حذیفہ اپنی فوج کے ساتھ نہاوند میں داخل ہو چکے ہیں۔

جب اسلامی لشکر حضرت حذیفہ ابن الیمان کی قیادت میں شہر نہاوند میں داخل ہوا یہاں آتش کدہ کا موبد حذیفہ کے پاس آیا اور کہا مجھے امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا پتہ بتا دوں۔ امن دیا گیا تو اس نے بیش قیمت جواہرات کا وہ صندوق حاضر کیا جسے کیانی بادشاہوں نے پس انداز کر رکھا تھا یہ صندوق دربار خلافت میں بھیج دیا گیا۔ عمر فاروق نے یہ خزانہ حذیفہ کے پاس لوٹا دیا اور حکم دیا کہ انہیں فروخت کر کے مجاہدین اسلام پر تقسیم کر دیا جائے۔

چنانچہ اس خزانہ کی قیمت جب لشکر اسلام پر تقسیم کی گئی تو ہر پیادہ کو دو ہزار اور ہر سوار کو چھ ہزار دینار ملے۔ حضرت عمر اس فتح سے اتنے خوش تھے کہ ہمت افزائی کے طور پر مجاہدین کو غنیمت کے علاوہ ایک ایک ہزار درہم اور دئے۔

نہاوند کی ایرانی فوج میں ایران کے تمام نامی سورما اور جنگ جو اکٹھا تھے جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ عربوں کو اپنے ملک سے نکال کر جزیرہ نمائے عرب کی طرف ڈھکیل نہ دیں گے اپنی تلواریں نیام میں نہ ڈالیں گے۔ مگر فرزندان توحید کی جنگی حکمت، جرأت و بیباکی اور قوت ایمانی کے مقابلہ میں ٹھہر نہ سکے۔ اور شکست کی ذلت سے نہ بچ سکے۔ اس شکست فاش نے ایرانیوں کے حوصلے بالکل پست کر دئے۔ اور مسلمانوں کے لئے پیش رفت کا سنہری موقعہ فراہم کر دیا۔ اسی لئے مسلمان فتح نہاوند کو فتح الفتوح کہتے ہیں۔

ایران پر عام لشکر کشی

فتح نہاوند کے بعد حضرت عمر نے ایک مجلس مشاورت میں ایرانیوں کی بغاوت، سرکشی اور فوجی تیاریوں کے اسباب معلوم کئے تو بتایا گیا کہ۔

" ایرانیوں کی بار بار شورش و بغاوت اور صف آرائی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان کا بادشاہ یزدگرد فارس میں موجود ہے اور جب تک وہ موجود رہے گا ایرانی برابر لڑتے رہیں گے اور آئے دن کی بغاوت و جنگ کا خاتمہ نہ ہو سکے گا اگر آپ ہم کو بلاد ایران پر عام لشکر کشی کی اجازت دیں تو ہم ان کے بادشاہ کو ایران سے نکال دیں اس وقت ان کی امیدیں منقطع ہو جائیں گی اور یہ سلسلۂ فتن ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔

(ابن خلدون ج ۲ ص ۱۰۸)

حضرت عمر نے اس مناسب رائے کو پسند کیا اور حدود فارس سے کیانی

اقتدار کا کلی طور پر خاتمہ کرنے کے لئے ایران کے تمام صوبوں اور ضلعوں پر لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا تاکہ پورا ملک بے جان ہوکر اسلامی اقتدار کے سامنے گھٹنے ٹیک دے اور کوئی ایرانی سردار پہلے کی طرح صف آرائی کی جراءت نہ کرے حضرت عمر نے متعدد عَلَم تیار کرائے اور حسب ذیل سرداروں کی قیادت میں فوجیں ایران کی سمت روانہ کیں۔

(۱) خراسان۔ احنف بن قیس (۲) سابور اردشیر۔ مجاشع بن مسعود سلمی (۳) اصطخر۔ عثمان بن ابی العاص ثقفی (۴) فساء داراب جرد۔ ساریہ بن زنیم کنانی (۵) کرمان۔ سہل بن عدی (۶) سجستان۔ عاصم بن عمر (۷) مکران حکم بن عمر و تغلبی (۸) آذربائجان۔ عتبہ بن فرقد۔

یہ تمام لشکر مقررہ محاذوں کی طرف ۲۱ھ میں روانہ ہوئے۔

اصفہان کی فتح

اصفہان ایک بہت بڑا شہر اور عراق عجم کے اس صوبہ کا صدر مقام تھا جسے اصفہان ہی کہا جاتا تھا۔ یہ شہر یزدگرد اوّل نے اپنی یہودی ملکہ شوش دُخت کی خواہش پر تعمیر کرایا تھا جہاں کی زمین شاداب اور ہوا خوش گوار۔ پانی نہایت شیریں تھا۔ شاہان عجم نے اس شہر کو اپنی قیام گاہ بنایا ملک کے مختلف حصّوں کی شاہراہیں یہاں آکر ملتی تھیں۔

جس وقت مسلمان نہاوند اور ہمدان میں داخل ہوئے یزدگرد رَے میں تھا جب اس نے اپنے مستقر کی طرف عربوں کو بڑھتے دیکھا تو اصفہان چلا گیا۔ اور لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کرنے لگا۔

عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان اسلامی لشکر لے کر اصفہان کی طرف بڑھے ان کے ساتھ نہاوند میں مقیم نعمان بن مُقرن کا لشکر بھی تھا۔ حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کو عبداللہ بن عتبان کی مدد پر متعین کیا اس طرح میمنہ پر عبداللہ بن ورقہ ریاحی۔ میسرہ پر عصمہ بن عبداللہ تھے۔ ایرانی فوج کا افسر اعلیٰ اسفندران تھا۔ مقدمۃ الجیش پر شہر یار بن جاذویہ تھا۔ جو ایران کے منتخب

جنگ جوؤں میں تھا اس کے ساتھ ایران کے دوسرے نامور شہسوار بھی تھے۔
اصفہان سے ذرا فاصلے پر مقام رستاق میں شہر یار، اسلامی لشکر کے مقابلہ میں آیا۔
جنگ شروع ہوئی ایرانی ملک و قوم کے لئے سر بکف ہو کر جنگ کرنے لگے
ابتداء میں مسلمانوں کی پسپائی کا اندیشہ تھا لیکن دو پہر بعد مسلمانوں نے پر زور حملے کر
کے ایرانیوں کو پسپا کرنا شروع کر دیا شہر یار نے جب یہ رنگ دیکھا تو صف
اول میں آکر مسلمانوں سے مبارز طلب کیا۔ عبداللہ بن ورقہ ریاحی آگے بڑھے اور
اسے قتل کر دیا۔ ایرانیوں نے اپنے نامور سورما کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھا تو
بد حواس ہو گئے۔ اور فرار ہونے لگے۔
مسلمانوں نے رستاق کو فوجی چھاؤنی بنا لیا اور آگے بڑھ کر اصفہان کا
محاصرہ کر لیا۔ ایرانی قلعہ بند ہو گئے وہ کبھی کبھی باہر آتے اور کچھ دیر لڑ کر واپس
چلے جاتے۔ ایرانیوں نے ایک دن قطعی جنگ کا فیصلہ کر لیا اور ساری ایرانی
فوج میدان میں اتر پڑی صفیں آراستہ ہوئیں جنگ شروع ہی ہونے والی تھی
کہ اصفہان کے رئیس فاذوسفان نے میدان جنگ میں آکر عبداللہ سے کہا۔ طرفین
کی جانیں ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ آؤ ہم تم لڑ کر فیصلہ کر لیں اگر میں تم کو
قتل کر دوں تو تمہارے ساتھی واپس چلے جائیں اور اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو
میرے ساتھی تمہاری حفاظت کریں گے۔ عبداللہ مقابلہ میں آئے اور کہا پہلے تم
وار کرو گے یا پہلے میں کروں۔ فاذوسفان نے کہا پہلے مجھے وار کرنے دو عبداللہ
کھڑے ہو گئے فاذوسفان نے نیزہ سے حملہ کیا عبداللہ نے وار خالی دیا لیکن
ان کی زین لڑھک گئی اور آپ زمین پر آ گئے مگر پھر گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر
بیٹھ کر کہا۔ اب میں حملہ کرتا ہوں۔ اس نے کہا میں تم سے جنگ کرنا نہیں چاہتا
تمہاری جواں مردی مسلم ہے میں شہر تمہارے حوالہ اس شرط پر کرتا ہوں کہ جو
جزیہ دے کر رہنا چاہے اسے رہنے دیا جائے اور جو جانا چاہے اسے نکل
جانے کی اجازت دے دی جائے۔ عبداللہ نے منظور کر لیا صلح ہو گئی۔ عبداللہ

اور ابوموسیٰ منظفر و منصور شہر میں داخل ہوئے۔ فتح کی اطلاع دربارِ خلافت میں بھیجی گئی۔ حضرت عمر نے عبداللہ کو لکھا کہ تم اصفہان میں کسی کو اپنا نائب مقرر کرکے سہیل بن عدی کی مدد کے لئے کرمان چلے جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے سائب بن اقرع کو اصفہان میں اپنا نائب بنا کر کرمان کا رخ کیا۔

فتح ہمدان

۲۲ھ ۶۴۳ء معرکۂ نہاوند کے بعد نعیم بن مقرن اور قعقاع نے ہمدان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ خسرو شنوم نے صلح کر لی تھی مگر جس وقت مسلمان اصفہان کی مہم پر تھے بلادِ شمالی جو بحیرۂ قزوین کے جنوب میں واقع تھے اسفندیار رازی کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ اسفندیار قادسیہ کے ایرانی سپہ سالار رستم کا بھائی تھا۔ وہ مسلمانوں کو رَے سے نکالنے کی تیاری کر رہا تھا۔ ہمدانیوں کو جب علم ہوا تو ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے مسلمانوں سے کی گئی صلح توڑ دی۔ حضرت عمر کو معلوم ہوا تو نعیم بن مقرن کو حکم دیا کہ وہ ہمدان کو بزورِ شمشیر فتح کریں اور انہیں ایسی عبرت ناک سزا دیں کہ وہ آئندہ جرأت نہ کر سکیں اور دوسروں کو بھی شکستِ عہد کا حوصلہ نہ رہے۔

نعیم جب ہمدان پہونچے تو ہمدانیوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا ان کی ہمتیں پست ہوگئیں اور بدانجامی کی تصویر نگاہوں کے سامنے پھرنے لگی۔ چنانچہ اہلِ ہمدان نے صلح کی درخواست کی جسے نعیم نے اس شرط پر قبول کیا کہ اسلامی فوج کا ایک دستہ شہر میں مقیم رہے گا جو انہیں معاہدہ یاد دلاتا اور جزیہ وصول کرتا رہے گا۔

فتح درج رود

نعیم اپنی بارہ ہزار فوج کے ساتھ ہمدان میں مقیم تھے کہ ان کو پتہ چلا کہ ایرانی فوجیں مختلف سمتوں سے ان کی جانب بڑھ رہی ہیں دیلمی اپنے امیر موتا، اہلِ رَے اپنے سردار زینبی ابوالفرقان اور آذربائجان والے اپنے سالار اسفندیار کی قیادت میں روانہ ہوئے اور درج رود کو مقامِ اتصال قرار دیا۔

نعیم یزید بن قیس کو ہمدان میں اپنا نائب مقرر کرکے درج رود پہونچ

گئے۔ ایرانیوں نے اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا۔ وہ مسلمانوں کو شکست دینے کا کامل یقین رکھتے تھے۔ مسلمانوں نے جرأت و بہادری کے جوہر دکھائے ایسی سخت جنگ ہوئی کہ نہاوند کی یاد تازہ ہوگئی۔ شام تک دیلمی اپنی بے شمار لاشیں میدان میں چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ اس فتح کے بعد نعیم ہمدان آگئے اور رَے میں ایرانی فوجوں کے اجتماع کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجی۔ جہاں سے حکم آیا۔

"ہمدان میں اپنا نائب مقرر کر کے رَے کی طرف کوچ کرو۔ دشمن سے لڑو اور بصرہ میں قیام کر لو۔ اس لئے کہ یہ شہر دوسرے شہروں کے وسط میں واقع ہے اور تمہارے مقصد کے لئے زیادہ کارآمد ہے۔ (الفاروق عمر ص۳۸۵)

یہ حکم پاتے ہی نعیم نے یزید بن قیس کو ہمدان پر مقرر کیا اور خود لشکر لے کر رَے کی طرف بڑھے۔

فتح رَے

۲۲ھ۔ رَے کا بادشاہ بہرام کا پوتا سیاؤخش بن مہران تھا درج رود کی جنگ کے بعد جسے مسلمانوں کی پیش رفت کا یقین ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس نے دمباوند، طبرستان، قومس اور جرجان والوں سے مدد طلب کرتے ہوئے کہا تھا۔" اگر مسلمانوں نے رَے پر قبضہ کر لیا تو پھر تمہارا کوئی ٹھکانا نہیں"۔ ان سب نے سیاؤخش کی مدد کی اور اس کے پاس ایک بڑی فوج اکٹھا ہوگئی۔ اپنی فوج اور رَے کے مستحکم قلعہ کو دیکھ کر سیاؤخش کو اطمینان ہوگیا تھا کہ مسلمان اسے زیر نہ کر سکیں گے۔ نعیم رَے کے قریب پہونچے زینبی ابوالفرقان جسے سیاؤخش نے درج رود کی جنگ میں فرار پر اس کا عہدہ چھین لیا تھا۔ چنانچہ زینبی ناراض ہوکر سیاؤخش سے حسد کرنے لگا اور رَے سے نکل کر نعیم سے ملاقات کی۔

اس نے کہا سیاؤخش کی عظیم فوج سے مقابلہ آسان نہیں تم میرے ساتھ سواروں کا ایک دستہ بھیجو تاکہ میں ان کو ایک خفیہ راستے سے شہر میں داخل کرادوں اِدھر آپ ایرانیوں سے جنگ کریں اور وہ دستہ عقب سے حملہ کرے۔ ادھر

ایرانی شکست کھا جائیں گے۔ نعیم نے تجویز منظور کر لی اور مُنذِر بن عمرو کی قیادت میں منتخب جاں بازوں کا ایک دستہ ساتھ کر دیا۔ زبیر رات کے وقت اسلامی دستہ کو شہر میں اس طرح لے گیا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ نعیم نے رات کی تاریکی میں قلعہ پر حملہ کر دیا ایرانی مقابلہ پر آئے شدید جنگ ہونے لگی۔ مگر جب انہوں نے اپنے پیچھے سے نعرۂ تکبیر کی آواز سُنی تو گھبرا گئے اور شکست کھا کر بھاگنے لگے۔

سیاؤخش کی خود اعتمادی کے تانے بانے بکھر گئے وہ اس طرح فرار ہوا کہ اس کا کہیں پتہ نہ چلا شہر پر قبضہ ہو گیا۔ مسلمانوں کو جو مالِ غنیمت ملا وہ قدر و قیمت میں مدائن کے اموالِ غنیمت سے کم نہ تھا نعیم نے زبیر کو رَے کا حاکم بنا دیا۔ فتح رَے کے بعد اطراف و جوانب کے ایرانیوں میں جنگ کا حوصلہ نہ رہا اور وہ نعیم سے جزیہ کی شرط پر صلح کرنے لگے۔

فتح قومس، دنباوند، بسطام

۲۲ھ سوید بن مقرن جب فاروق اعظم کے حکم سے قومس کی تسخیر کے لئے وہاں پہونچے تو ایرانیوں کی ہمت پچھلی شکستوں سے اس قدر ٹوٹ چکی تھی کہ بلا مقابلہ شہر فتح ہو گیا مصالحت کے بعد سوید نے نگراں دستہ متعین کر دیا۔

اہل دنباوند نے بھی نعیم بن مقرن سے صلح کر لی اور دو لاکھ درہم سالانہ جزیہ مقرر ہوا۔

قومس کے بعد سوید بن مقرن نے بُسطام پر پڑاؤ ڈالا اور جرجان کے حاکم کو تحریر کیا کہ وہ صلح کرلے ورنہ اسلامی فوجیں اس کی طرف آ رہی ہیں۔ اس فرماں روا نے فوراً دہستان اور جرجان کی طرف سے صلح کر لی۔ شرط یہ تھی کہ ایرانی جزیہ ادا کر دیں اور مسلمان ان کے جان و مال اور مذہب و رسوم کی حفاظت کریں گے اس صلح نامہ میں ایک شق یہ تھی کہ تم میں سے جس سے ہم کوئی مدد لیں گے یہی اس کا جزیہ ہو گا۔" اس سے اور کچھ نہ لیا جائے گا۔"

اِس شق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جزیہ دراصل کسی مغلوب قوم

کی حفاظت کا معاوضہ تھا۔ لیکن اگر وہ قوم اپنی حفاظت خود کرے یا مسلمانوں کا ساتھ دے تو اس سے جزیہ نہ لیا جائے گا۔

طبرستان کی فتح

۲۲ھ طبرستان کی سرحدیں قومس سے ملتی تھیں۔ جرجان کے بعد سُوید طبرستان پر فوج کشی کا ارادہ رکھتے تھے حاکم طبرستان اسپہبد نے جب دیکھا کہ رَے اور قومس دونوں مسلمانوں کے زیر نگیں آچکے ہیں اور وہ جنوب کی طرف سے گھر چکا ہے اور جرجان کی طرف سے اس کی مشرقی راہیں مسدود ہو چکی ہیں اب اس کے لئے صرف آذربائجان کا راستہ کھلا ہے مگر وہاں بھی اسلامی فوجیں پہونچنے ہی والی ہیں۔ خود اس کے اندر مسلمانوں سے جنگ کی طاقت نہیں ہے اس لئے صلح کر لینا بہتر ہے۔ چنانچہ نامۂ صلح سوید کے پاس روانہ کیا۔ سُوید نے شرائط صلح بھیج دی جسے حاکم طبرستان نے منظور کر لیا۔ پانچ لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح ہو گئی۔

آذربیجان کی فتح

۲۳ھ آذربائجان ایک وسیع صوبہ تھا جس کے مغرب میں طبرستان شمال میں دیلم جنوب میں عراق عرب اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی ہیں۔ آذربائجان کے معنی آگ کی زمین یا آتش کدہ ہے۔ اس نام کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی عملوں تک یہاں آتش پرستوں کی کثرت تھی لیکن جب یہاں اسلام پھیلا تو اس کا نام بدل کر مازندران رکھ دیا گیا۔ یہاں کے مشہور شہر مراغہ، جرمیدان، مروعہ، اردبیل وغیرہ تھے تبریز صدر مقام تھا۔

رَے کے انتظامات سے فراغت کے بعد نعیم بن مقرن نے سماک بن فرشہ انصاری کی قیادت میں غازیان رَے کی ایک فوج عتبہ بن فرقد اور بُکیر بن عبداللہ کی کمک پر روانہ کیا جنہیں حضرت عمر نے آذربائجان کی مہم پر روانہ کیا تھا۔

حذیفہ بن الیمان نے اس علاقہ کو مطیع بنا لیا تھا مگر پھر دائرۂ اطاعت سے نکل گیا تھا۔ اسفندیار اور بہرام دونوں بھائی اس پورے علاقہ کے حکمراں تھے۔

بُکیر اور عتبہ اپنی اپنی فوج کے ساتھ مختلف راستوں سے آذربائجان کے حدود

میں داخل ہوئے مقام جرمیدان میں اسفندیار بن فرخ زاد سے مڈ بھیڑ ہوگئی فریقین میں شدید جنگ ہوئی۔ اسفندیار شکست کھا گیا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اسفندیار نے بُکیر سے کہا تم مجھے قتل نہ کرو اپنے پاس قید رکھو میں آسانی سے پورے مُلک پر قبضہ دلا دوں گا۔ بکیر نے منظور کر لیا۔ دوسری جانب بہرام عتبہ کے مقابلہ میں آیا۔ عتبہ نے اسے زیر کر دیا۔ بہرام فرار ہو گیا اسی دوران سماک بھی پہونچ گئے انہوں نے آذربائجان کے اطراف میں باقی شہر و قصبات فتح کر لئے۔ اسفندیار نے فتوحات اور بہرام کے بھاگنے کی خبر سُن کر کہا اب جنگ کی آگ فرو ہو چکی ہے اور میں تم سے جزیہ پر صلح کرتا ہوں۔ بکیر اور عتبہ نے صلح نامہ لکھ دیا۔ آذربائجان اس کے حوالہ کر دیا۔ عہد نامۂ صلح یہ ہے۔

"یہ معاہدہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب کے حکم سے عتبہ بن فرقد نے اہل آذربائجان کے ساتھ ان کے تمام میدانوں، پہاڑوں، مضافات اور تمام اقوام کے لئے کیا ہے۔ ان کے جان و مال، مذہب و ملت اور رسوم و قوانین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جزیہ ادا کریں۔ یہ جزیہ بچے، عورت اور ایسے مفلس و اپاہج پر عائد نہیں ہے جن کے پاس دنیاوی مال و متاع کی کوئی چیز نہ ہو اور نہ ایسے عابد و راہب پر ہے جس کے پاس دنیاوی مال و متاع نہ ہوں اور جو ان کے ساتھ رہتے ہیں ان کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔" (طبری ج ۳ ص ۲۳۵)

بُکیر نے عتبہ کو آذربائجان میں چھوڑا اور خود لشکر لے کر باب کی جانب بڑھے۔ عتبہ نے باقی ماندہ فوج سے شہر زور اور صامغان کو فتح کر لیا اور وہاں کے عمال سے جزیہ و خراج کی ادائیگی پر صلح کر لی۔ ان فتوحات کے بعد عمر فاروق اعظم نے ان کو آذربائجان کا والی مقرر کر دیا۔

باب کی فتح

بحیرۂ قزوین میں آذربائجان کی طرف ایک بندرگاہ تھی جسے باب یا باب الابواب کہا جاتا تھا یہ کافی مستحکم بندرگاہ تھی

جس کی گودی میں زنجیر بندھی ہوئی تھی تاکہ بغیر اجازت کوئی جہاز آجا نہ سکے حاکم باب شہر بزاد تھا جو بڑا دلیر شخص تھا اس نے سرزمین شام میں بنی اسرائیل کو پامال کیا تھا اسے ایرانی سلطنت کا ماتحت خیال کیا جاتا تھا۔

فاروق اعظم نے سُراقہ کی قیادت میں عبدالرحمان بن ربیعہ ابن اسید غفاری سلمان بن ربیعہ کی ہمراہی میں باب کی طرف روانہ کیا۔ بُکیر ابھی راستے ہی میں تھے کہ سراقہ کا لشکر باب پہونچ گیا۔ شہریار نے عبدالرحمان بن ربیعہ سے خود ملاقات کی اور کہا کہ میں ارمنی، قبجی نہیں ہوں تم لوگ میرے وطن پر غالب آچکے ہو میں ہر طرح تمہاری مدد کروں گا لیکن مجھ سے جزیہ لے کر ذلیل نہ کرو۔ عبدالرحمٰن نے اسے سراقہ بن عمرو سالارِ اعظم کے پاس بھیج دیا۔ شہریزاد نے اپنی بات دہرائی۔ سراقہ نے درخواست منظور کرلی اور جزیہ معاف کردیا۔ لیکن مسلمانوں کی طرف سے جنگ نہ کرنے والوں پر جزیہ قائم رہا۔ بعد میں یہ حکم ایک قانون بن گیا جس کے زیر اثر مسلمانوں کے ساتھ ان کے دشمن سے لڑنے والے غیر مسلم جزیہ سے مستثنیٰ قرار پائے سراقہ کے اس معاہدے کو عمر فاروق نے پسند کیا اور اس کے نفاذ کی اجازت مرحمت فرمادی۔

باب کی مہم سے فارغ ہو کر سراقہ نے امراء لشکر کو آرمینیا کے پہاڑی شہروں پر فوج کشی کا حکم دے دیا۔ بُکیر بن عبداللہ موقان کی جانب۔ حبیب بن مسلمہ کو تفلیس کی جانب۔ حذیفہ بن الیمان کو جبال للدن کی سمت اور سلمان بن ربیعہ کو دوسری جانب روانہ کیا۔ یہ مہم تکمیل کو بھی نہ پہونچنے پائی تھی کہ سراقہ کی وفات کا زمانہ قریب آگیا تو انہوں نے باب کی حکومت پر عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو اپنا نائب مقرر کردیا۔

فتح بلنجر

فاروق اعظم کو سراقہ کی وفات اور عبدالرحمٰن کی جانشینی کا علم ہوا تو آپ نے عبدالرحمٰن کو حکومت باب پر بحال رکھا اور ترکوں پر حملہ کا حکم بھیجا۔ عبدالرحمٰن نے حکم پاتے ہی باب سے نکل کر ترکوں کے پایۂ تخت

بلنجر کا رُخ کیا۔ شہر یار ساتھ تھا اس نے اس لشکر کشی پر حیرت ظاہر کی اور کہا ہم لوگ تو یہی غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ ہم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔" عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔ جب تک میرا نیزہ ترکوں کے سینے میں نہ گھس جائے گا مجھے صبر نہ آئے گا۔ الغرض بلنجر پہونچے معرکہ کارزار گرم ہوا ترک اپنی شجاعت کے باوجود اسلامی لشکر کے حملوں کی تاب نہ لاکر بھاگ گئے۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی یہ فتح عہد عثمانی کی ابتداء میں ہوئی۔ بلنجر کے معرکہ کے بعد بھی ترک بار بار مقابلہ پر آتے رہے انہیں معرکوں میں حضرت عبدالرحمٰن کی وفات ہوئی۔ ان کے بھائی سلمان بن ربیعہ سالار لشکر بنے اور براہ جیلان، جرجان واپس آئے۔

فتح خراسان

۲۲ھ مدائن چھوڑنے کے بعد شاہ ایران یزدگرد نے رُے اصفہان، کرمان کی خاک چھانتے ہوئے خراسان کے شہر مرو میں بساط سلطنت بچھائی اور مسلسل عراق عجم کے ایرانی سرداروں کو عربوں کے خلاف ورغلاتا رہا اور فوجیں اکٹھا کر کے ان کی امداد کے لئے بھیجتا رہا۔ مگر اسلامی فتوحات کے سیلاب نے ان سب کو خس وخاشاک کی طرح بہا دیا۔ جب ایران پر عام لشکر کشی ہوئی تو احنف بن قیس اسلامی لشکر لے کر خراسان کی جانب بڑھے۔ اس وقت خراسان کے مشہور شہر ہرات، نیشاپور، مرو، بلخ، سرخس، طوس تھے۔ حدود خراسان میں داخل ہونے کے بعد احنف نے سب سے پہلے ہرات پر قبضہ کر لیا۔ پھر مروشاہجہان کی طرف بڑھے جہاں یزدگرد مقیم تھا اس نے لشکر کشی کی خبر پاتے ہی مرورود کا رُخ کیا احنف نے مروشاہجہان پر قبضہ کر لیا۔ اس دوران چار سرداروں کی قیادت میں کوفہ کی اسلامی فوج مروشاہجہان پہونچ گئی۔ علقمہ بن نضر نضری۔ ربعی بن عامر تیمی۔ عبداللہ بن ابی عقیل تقفی۔ ابن اُم غزالی ہمدانی علم بردار تھے۔

احنف نے مروشاہجہان میں حارثہ بن نعمان باہلی کو چھوڑ کر مرورود کا رخ کیا۔ کوفہ کی فوج مقدمۃ الجیش میں تھی۔ یزدگرد مرورود سے نکل کر بلخ چلا گیا۔ احنف نے مرورود پر قبضہ کر کے بلخ پر چڑھائی کر دی۔ کوفی فوج سے یزدگرد کی فوج کا

معرکہ گرم ہوا۔ ایرانیوں کو شکست ہوئی اور یزدگرد ایرانیوں کو لے کر دریائے جیحون عبور کر کے تاتار خاقان چین کے پاس چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی دیکھا تو ہر طرف فوجیں روانہ کر دیں۔ نیشاپور سے طخارستان تک فتح کر کے مرو رود کو صدر مقام بنایا۔ طخارستان پر ربعی بن عامر کو امیر مقرر کیا۔ دربار خلافت میں نامۂ فتح تحریر کیا جواب آیا کہ جہاں تک تم پہونچ چکے ہو اسی پر اکتفا کرو دریا سے آگے نہ بڑھو۔ چناں چہ احنف نے پیش رفت روک لی۔

یزدگرد جب خاقان چین کے پاس پہونچا تو اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ خراسان کا رخ کیا۔ احنف اس وقت بلخ میں مقیم تھے۔ خاقان کی آمد کا علم ہوا تو اسلامی فوج لے کر مرورود پہونچے۔ خاقان احنف کے مقابلے کے لئے مرورود پہونچا یزدگرد اپنی فوج کے ساتھ مروشاہجہاں کی طرف بڑھا۔ احنف نے نہر عبور کر کے ایک میدان میں جس کی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ کوفہ و بصرہ کی بیس ہزار فوج ان کے زیر علم تھی مسلمانوں نے حسب ضرورت خندقیں کھودیں اور مورچے قائم کر لئے طویل عرصہ تک دونوں فوجیں روبرو پڑی رہیں ایک دن صبح کے وقت احنف میدانِ جنگ میں گئے ادھر سے ایک ترک علم لے کر نکلا احنف نے اسے نیزہ کی ضرب سے ہلاک کر دیا۔ چینی لشکر سے دو بہادر میدان میں آئے احنف نے انہیں بھی ہلاک کر دیا خاقان جب میدان میں آیا اور اس نے اپنے منتخب بہادروں کی لاش دیکھی تو خوف زدہ ہوا اور پوری فوج کو فی الفور واپسی کا حکم دیا۔

یزدگرد کو جب خاقان کی واپسی کا علم ہوا تو وہ بدحواس ہو گیا اس نے مروشاہجہاں سے محاصرہ اٹھا لیا اور اپنے خزانوں کے ساتھ خاقان کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ ایرانی امراء نے اختلاف کیا اور مسلمانوں سے صلح کرنے پر اصرار کیا۔ یزدگرد نے ان کی رائے نہ مانی تو انہوں نے بغاوت کر دی اور سارے خزانے چھین لئے۔ یزدگرد بے سروسامانی کی حالت میں خاقان چین کے پاس پہونچا اور حضرت عمر کے آخری ایام تک فرغانہ میں مقیم رہا۔

یزدگرد کے جانے کے بعد اس کے اعیان سلطنت احنف کے پاس آئے سارا شاہی خزانہ حوالہ کر کے صلح کر لی۔ یہ مال اسلامی لشکر میں تقسیم کر دیا گیا۔ احنف بلخ ہوتے ہوئے مرو رود پہونچے اور وہیں قیام کیا اور فاروقِ اعظم کے پاس بشارتِ فتح تحریر کی۔

حضرت فاروق اعظم نے مسلمانوں کو جمع کر کے مژدۂ فتح سنایا اور پُراثر تقریر کی آخر میں فرمایا۔

"آگاہ ہو جاؤ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ زمین کا ایک چپہ بھی اب ان کے قبضہ میں نہیں اب وہ اسلام کو کسی طرح نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین ان کے ملک اور ان کی دولت کا تمہیں وارث بنایا لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر قائم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین لے گا اور دوسروں کو عطا فرما دے گا۔" (ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۹)

فتح توج

ایران پر عام لشکر کشی کے زمانے میں مجاشع بن مسعود اپنی فوج کے ساتھ اردشیر اور سابور کی طرف روانہ ہوئے۔ ایرانیوں نے انہیں توج میں روک لیا۔ سخت جنگ ہوئی۔ میدان جنگ مجاشع کے ہاتھ رہا۔ انہوں نے توج کو فتح کر لیا اور مال واسباب ضبط کر کے اہلِ شہر پر جزیہ عائد کر دیا۔ اس طرح اہل توج نے گھٹنے ٹیک دئے جو اس سے قبل علاء حضرمی کو الٹے پاؤں واپس کرنے پر مدتوں فخر کرتے رہے تھے۔

توج سے چل کر مجاشع نے سابور اور اردشیر کو فتح کر لیا۔

فتح اصطخر

عثمان بن ابی العاص اصطخر کی طرف بڑھے جو صوبہ فارس کا دارالسلطنت اور بہت بڑا قدیم شہر تھا۔ جہاں کے حاکم ہربذ نے شہر کی حفاظت کے لئے بہت بڑی فوج اکٹھا کر رکھی تھی۔ اس نے عہد کر لیا تھا کہ یا تو حملہ آوروں کو پسپا کر دے گا یا اپنی جان دے دے گا۔

اس شہر سے ایرانیوں کی موروثی عقیدت وابستہ تھی اس لئے کہ ایرانی اِسی

راستہ سے سرزمین ایران میں داخل ہوئے تھے اور اصطخر کو سب سے پہلا دارالسلطنت بنایا تھا۔ یہ شہرا کاسرۂ ایران ساسانیوں کا وطن تھا۔ اردشیر اول اصطخر کے اس آتش کدہ کا نگراں تھا جسے آتش خداوندان انارسید کا گھر کہا جاتا تھا۔ اس طرح اس شہر کو سیاسی و مذہبی اہمیت حاصل ہوگئی جس نے اس مرکزی شہر کی تقدیس میں چار چاند لگا دئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایرانیوں نے اس شہر کی حفاظت کے لئے جی جان کی بازی لگا دی تھی۔

اصطخر قدیم شہر پرسوپولیس کے قریب آباد تھا۔ سکندر اعظم کے حملوں نے جب پرسوپولیس کو تاخت و تاراج کر دیا تو ان کھنڈرات کے قریب شہر اصطخر آباد ہوگیا اصطخر کے نواحی پہاڑ معدنیات کی دولت سے مالامال تھے جسے اس شہر کی ترقی اور رونق میں بڑا دخل تھا۔

جب ہربذ کو اسلامی لشکر کی آمد کا علم ہوا تو وہ اپنی فوج لے کر جور پہونچا جہاں اس کا مقابلہ عثمان بن ابی العاص سے ہوا جس میں عثمان نے فتح پائی اور ہربذ پسپا ہو کر قلعہ بند ہوگیا مگر جب محاصرہ طویل ہوا تو شہر کے دروازے کھول دئے گئے۔ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے ایرانی فرار ہو گئے باقی ماندہ باشندوں پر جزیہ لگا دیا گیا بعد میں ہربذ مفرورین کی ایک جماعت کے ساتھ آکر مسلمانوں کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ (الفاروق عمر ص ۳۹۲)۔

فتح فساء و داراب جرد

عام لشکر کشی میں ساریہ بن زنیم فساء و داراب جرد کی مہم پر روانہ ہوئے تھے۔ ایرانی چھاؤنیوں کے قریب پہونچے اور محاصرہ کر لیا۔ ایرانیوں نے کردوں سے مدد طلب کی اور ہر طرف سے ان کے پاس کمک پہونچنے لگی اب ایرانیوں کی قوت مسلمانوں سے کافی زیاد ہوگئی چنانچہ مسلمان امیروں نے طے کیا کہ کل ہی حملہ کر دیا جائے۔

دوسرے دن جنگ شروع ہوئی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھانے کے باوجود ایرانیوں کا دباؤ بڑھتا رہا اور قریب تھا کہ اسلامی فوج شکست کھا جائے

حضرت عمر فاروق جو اس وقت مسجد نبوی میں مسلمانوں کو خطبہ دے رہے تھے اسی دو
آپ کی چشم بصیرت نے معرکۂ کارزار کا مشاہدہ کر لیا اور امیر لشکر کو وہیں سے ہدایت
دیتے ہوئے فرمایا۔ یاساریۃُ الجبل، یاساریۃُ الجبل۔ ساریہ نے یہ
آواز سنی اور اپنی فوج کو پہاڑ کی طرف سمیٹ لیا۔ پھر حملہ کیا اور ایرانیوں کو شکست دی
مال غنیمت میں جواہرات کی ایک ٹوکری بھی ملی تھی جسے ساریہ نے نامۂ فتح کے
ساتھ دربار خلافت میں روانہ کیا تھا۔ مگر حضرت عمر نے قاصد کو ٹوکری کے ساتھ اُلٹے
پاؤں واپس کر دیا۔

فتح کرمان

۲۳ھ سہیل بن عدی کرمان کی فتح پر مامور کئے گئے تھے۔ سہیل
کرمان پہونچے تو عبداللہ بن عتبان بھی کرمان پہونچ گئے۔ کرمان
والوں نے مقابلہ کیا مسلمانوں نے انہیں محاصرے میں لے لیا۔ اثنائے رزم کرمان
کا مرزبان بشیر کے ہاتھوں ہلاک ہوا ایرانیوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں کو
فتح نصیب ہوئی۔ عبداللہ اور بشیر اپنی فوجیں لئے جیرفت اور سیرجان تک چلے گئے

فتح سجستان

سجستان جسے سیستان بھی کہا جاتا ہے۔ عاصم بن عمرو اس
علاقہ کی فتح کے لئے نامزد کئے گئے تھے۔ عاصم فوج لے کر
سجستان پہونچے تو عبداللہ بن عمر بھی مدد کے لئے آ گئے۔ ایرانیوں نے پہلے محاذ
پر مختصر سی جنگ کے بعد راہِ فرار اختیار کی۔ عاصم فوج لئے آگے بڑھتے رہے ا
زرنج پہونچ کر محاصرہ کر لیا چند دنوں بعد محصورین نے صلح کی درخواست کی
صلح ہو گئی۔ سجستان کے حدود خراسان سے وسیع تھے سجستان کی فتح کی وجہ سے
قندھار ممالک ترک اور سندھ کی فتوحات کی کلید ہاتھ آ گئی۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً
ان علاقوں پر اسلامی فوجیں حملہ آور ہوتی رہیں۔

مکران کی فتح

۲۳ھ دربار خلافت سے مکران کی مہم کے لئے حکم بن عمر
تغلبی بھیجے گئے۔ شہاب بن مخارق سہیل بن عدی۔ عبداللہ
بن عتبان بھی امداد کے لئے مکران کی جانب بڑھے۔ نہر مکران کے قریب دو دین پہونچے

سب نے اسلامی فوج کو مرتب کیا والئ مکران راسل بڑے جوش وخروش کے ساتھ اہل سندھ کی امدادی فوج کے ساتھ مقابلہ پر آیا ایک بڑی جنگ کے بعد راسل کو شکست دے کر اسلامی لشکر نے مکران پر قبضہ کر لیا۔ فتح کا نامہ بشارت اور خمس صحار عبدی کی معرفت مدینہ منورہ بھیجا گیا۔ فاروق اعظم نے مکران اور اس کے اطراف کے حالات دریافت کئے تو صحار نے کہا:"

اس کے نرم میدانوں کی زمین پہاڑوں کی طرح ہے وہاں پانی کم یاب۔ اس کے پھل خراب ہیں۔ اس کے دشمن دلیر ہیں وہاں بھلائی کم اور برائی زیادہ ہے وہاں کثیر تعداد بھی کم معلوم ہوتی ہے اور قلیل تعداد ضائع ہو جاتی ہے اس کا پچھلا حصہ اس سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ (طبری ج ۳ صـ۲۵۷)

فاروق اعظم نے سہیل اور عاصم کو تحریر کیا کہ فوجیں وہیں روک دی جائیں آگے پیش قدمی نہ کی جائے۔

سندھ کے راجہ نے ایران کی گرتی ہوئی حکومت کی فوجی امداد کی تھی۔ بالخصوص مکران میں سندھ کی سپاہ نے ایران کی فوج کے دوش بدوش اسلامی لشکر سے جنگ کی تھی اس لئے ایران کی آخری سرحدوں پر قبضہ کر لینے کے بعد سندھ و ہند پر بھی فوج کشی ایرانی مقبوضات کے تحفظ کے لئے ناگزیر تھی چنانچہ بعض فوجی دستوں نے سندھ کے حدود میں داخل ہو کر جنگیں کیں اور مسلمانوں کے بحری بیڑے ہندوستانی ساحلوں سے ٹکرانے لگے لیکن دربار خلافت کے سخت امتناعی احکامات کی وجہ سے حدود ہند میں باقاعدہ پیش رفت نہ ہو سکی۔

فتوحات شام

فتح دمشق ۱۴ھ ۶۳۶ء

جس دن شام میں اسلامی لشکر کو جنگ یرموک میں فتح مبین حاصل ہوئی فاروق اعظم کا مکتوب حضرت ابو عبیدہ بن الجراح

کے نام مقام یرموک پہونچا۔ طبری اور ابن خلدون کے مطابق منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد عمر فاروق کا یہ پہلا فرمان تھا۔ جس میں تحریر کیا گیا تھا۔

" میں تم سے اس خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جو باقی رہنے والا ہے جس نے ہم کو گمراہی سے نکال کر راہِ راست پر لگایا اور ظلمت سے نکال کر نور میں داخل کیا۔ میں تم کو خالد کے لشکر کا امیر مقرر کرتا ہوں تم مسلمانوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ تم غنیمت کی حرص میں آکر مسلمانوں کو ہلاکت میں مبتلا نہ کرنا اور نہ کسی اجنبی مقام میں وہاں کے حالات و نتائج سے بے خبر ہو کر ان کو ٹھہرانا جب تم کسی جماعت کو جنگ کے لئے بھیجو تو معقول تعداد کے بغیر نہ بھیجو .... دنیا کی محبت سے اپنی آنکھیں بند کر لو اور اپنے دل کو اس سے بے نیاز کر لو۔ (طبری ج ۲ صفحہ ۶۲۲)

جب اسلامی لشکر نے معرکۂ یرموک میں شاندار فتح حاصل کر لی تو حضرت ابوعبیدہ نے فاروق اعظم کے فرمان کے مطابق پورے لشکر اسلام کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور بشیر بن کعب حمیری کو یرموک میں اپنا نائب مقرر کر کے ہزیمت خوردہ شامیوں کے تعاقب میں نکلے۔ یرموک کا خمس اور نامۂ فتح دربار خلافت میں روانہ کیا اور تازہ صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے فاروق اعظم سے ہدایت طلب کی۔

" میں ہزیمت خوردہ فوجوں کے تعاقب میں جو فحل کے مقام پر جمع ہو رہی ہیں مرج الصفر جا رہا ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہرقل حمص میں مقیم ہے اور وہاں سے دمشق فوجیں روانہ کر رہا ہے لیکن یہ فیصلہ کرنا میرے لئے دشوار ہے کہ پہلے دمشق پر حملہ کروں یا فحل پر۔ (الفاروق عمر صفحہ ۱۵۴)

حضرت عمر نے جواب میں تحریر فرمایا۔

" پہلے دمشق پر حملہ کر کے اسے فتح کرو وہ شام کا قلعہ اور اس کا صدر مقام ہے ساتھ ہی فحل میں بھی سوار دستے بھیج دو جو انہیں ہماری طرف نہ بڑھنے دیں اگر دمشق سے پہلے فحل فتح ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ دمشق فتح کرنے کے بعد تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ دینا اور تمام سرداروں کو ساتھ لے کر فحل روانہ ہو جانا

اگر اللہ تمہارے ہاتھ فتح کرا دے تو خالد اور تم حمص چلے جانا اور شرجیل وعمرو بن عاص کو اُردن اور فلسطین بھیج دینا۔" (ایضاً)

حضرت ابو عبیدہ نے خط ملتے ہی دس فوجی افسروں کو جن میں ابو الاعور سلمی بھی تھے فحل روانہ کیا اور خود حضرت خالد بن ولید کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھے۔ محرم ۱۴ھ کو اسلامی لشکر نے دمشق کا محاصرہ کر لیا اور شامی قلعہ بند ہو گئے۔

ابو عبیدہ باب جابیہ پر عمرو بن عاص باب توما پر۔ شرجیل بن حسنہ باب فرادیس پر۔ یزید بن ابی سفیان باب کیسان پر اور خالد بن ولید مشرقی دروازہ پر متعین ہوئے مسلمانوں نے چاروں طرف سے منجنیقیں نصب کر دیں مگر دشمن کا یہ قلعہ حد درجہ مستحکم تھا۔ جس کی فصیلیں بیس قدم اونچی اور پندرہ قدم چوڑی تھیں جو مربع پتھروں سے تعمیر کی گئی تھیں رومی شہنشاہ دیو کلشان نے دمشق کو فوجی لحاظ سے مضبوط بنانے اور اس کی دفاعی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لئے کئی ٹھوس تدبیریں اختیار کی تھیں۔ اور اس طرح اس نے دمشق کو اپنی مشرقی سلطنت کا اہم قومی مرکز بنا دیا تھا۔ تاکہ بیرونی حملوں کے دفاع کے ساتھ ساتھ ایران اور دیگر ممالک پر حملہ آور ہونے کے لئے یہیں سے فوجیں بھی روانہ کی جا سکیں۔ بلند فصیلوں کے چاروں طرف گہری خندقیں تھیں۔ دمشق میں داخل ہونے کے لئے کئی راستے تھے جو خندقوں کے اوپر بنے ہوئے تھے۔ ہر راستہ کے آخری سرے پر ایک مضبوط لوہے کا دروازہ تھا تاکہ دشمن اسے توڑ کر یا جلا کر فصیل تک نہ پہونچ سکے۔

سالار لشکر نے شمال کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ کے تدارک کے لئے ابو درداء، عامر بن عُویمر کو برزہ بھیج دیا۔ حمص کی جانب سے کسی فوجی کارروائی کے اندیشہ کو سامنے رکھتے ہوئے ذوا الکلاع کو حمص کے راستے پر متعین کر دیا۔ دمشق اور فلسطین کے راستہ میں علقمہ بن حکیم، مسروق عبسی کو مقرر کر دیا تاکہ فلسطین سے رومیوں کو کمک نہ پہونچ سکے۔

دمشق کا حاکم ہامان بطریق تھا اور رومی سپہ سالار فسطورس ایک فوج

کے ساتھ موجود تھا مسلمانوں کے بارے میں رومیوں کا خیال تھا کہ یہ ایک بادل ہے جو تھوڑے عرصہ کے بعد چھٹ جائے گا۔ اس لئے وہ مطمئن تھے اور انہیں ہرقل کی فوجی مدد کا بھی یقین تھا۔ جب ہرقل کی فوجی کمک دمشق کی طرف بڑھی۔ تو ذوالکلاع حمیری نے اسے روک لیا اور اہل دمشق ہرقل کی امداد سے محروم رہ گئے۔ دمشق کی رومی فوج میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ کھلے میدان میں بر سر پیکار ہوتے وہ قلعہ میں بیٹھے بیٹھے دفاع کرتے رہے انہیں امید تھی کہ مسلمان محاصرہ کی درازی سے تنگ آکر خود ہی بھاگ جائیں گے اس لئے کہ انہیں مسلمانوں کی جرأت و ہمت کے ساتھ ان کے بے پایاں صبر و استقلال کا علم نہ تھا۔ باختلاف روایت ستر دن یا چار ماہ یا چھ ماہ کا عرصہ گذر گیا سردیوں کا موسم جاتا رہا بہار کے دن آگئے لیکن عربوں کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اور وہ جلد تر فتح کی فکر میں رہے۔

ایک دن معلوم ہوا کہ دمشق کے بطریق ہامان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اعیان و امراء شریک جشن ہیں۔ سارا شہر خوشی کے ترنگ میں ڈوبا ہوا ہے لوگوں نے خوب مئے نوشی کی ہے تمام فوجی مدہوش پڑے ہوئے ہیں یہ خبر پاکر حضرت خالد نے رسیوں کی سیڑھیاں تیار کرائیں اور اپنے ساتھیوں سے کہا جب تم فصیل سے صدائے تکبیر سنو تو اوپر آجانا۔ خالد بن ولید، قعقاع، مذعور بن عدی اور دوسرے جاں فروش خاموشی کے ساتھ قلعہ کی طرف بڑھے اور رسیوں کی سیڑھیوں کو فصیل کے کنگروں سے لٹکا دیا اور اوپر چڑھ گئے قلعہ کے اندر اتر کر دروازے کھول دئے۔ فصیل سے تکبیر کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت خالد کے سپاہیوں نے خندق عبور کر کے فصیل پر چڑھنا شروع کر دیا۔ دروازہ کھلنے کے بعد بقیہ سپاہی اندرون شہر داخل ہو گئے۔ مضبوط و مستحکم قلعہ میں مسلمانوں کا پہونچ جانا حیرت انگیز معمہ تھا۔ جب رومی تکبیر کی آوازیں سن کر بیدار ہوئے تو وہ مبہوت رہ گئے مجاہدین اسلام سے مقابلہ کرنا ممکن

نہ تھا اس لئے دمشق کے سرداروں نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح سے صلح کر لی۔ انھوں نے امان دے دی۔ اپنے دستہ کے ساتھ باب جابیہ سے شہر میں داخل ہوئے لیکن ان کو حضرت خالد کے شہر میں فاتحانہ داخلہ کی خبر نہ تھی جب معلوم ہوا تو خالد کو حکم بھیجا کہ صلح ہو چکی ہے قتل و غارت گری سے ہاتھ روک لو۔ انہوں نے بھی صلح تسلیم کر لی۔

از روئے صلح اہل دمشق پر جزیہ فرض کیا گیا تھا۔ جو اپنے جان و مال کی حفاظت اور عقیدہ ورائے کی آزادی کے لئے مسلمانوں کو ادا کریں گے جزیہ میں فی کس ایک دینار اور معین مقدار میں گیہوں مسلمانوں کی خوراک کے لئے زیتون کا تیل اور سرکہ دینا تھا۔ اس کے علاوہ جو ٹیکس اہل دمشق رومیوں کو دیتے تھے اب مسلمانوں کو دینے لگے۔

اس طرح شام کا مشہور مرکزی تجارتی شہر جو حسن ورعنائی، استحکام و پائیداری میں ممتاز تھا۔ جس کی آب و ہوا خوش گوار اور جس کے ذرے ذرے سے حسن و رعنائی، دل کشی و زیبائی کی کرن پھوٹتی تھی مفتوح ہو گیا۔ ہرقل کا مشرقی پایۂ تخت مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

حضرت ابوعبیدہ نے دمشق کے انتظام وانصرام سے فارغ ہونے کے بعد عراق کی اسلامی فوج کو ہاشم بن عتبہ کی قیادت میں مثنیٰ بن حارثہ کی مدد کے لئے روانہ کیا۔

جنگ فحل ۱۴ھ ۶۳۵ء بعض امراء لشکر کا مشورہ تھا کہ حمص پر فوج کشی کی جائے تاکہ ہرقل کی شکست سے رومیوں کے دل ٹوٹ جائیں اور پورا شام بآسانی زیرنگیں آجائے۔ مگر حضرت ابوعبیدہ نے اختلاف کیا اور فحل کی جانب پیش رفت کا عزم کر لیا۔ اور یزید بن ابی سفیان کو دمشق میں چھوڑا خود خالد بن ولید کے ہمراہ فحل روانہ ہو گئے۔ اسلامی لشکر کی ترتیب اس طرح تھی۔ مقدمۃ الجیش پر خالد بن ولید۔ قلب لشکر پر شرجیل بن حسنہ، میمنہ پر عمرو بن عاص۔ سواروں پر ضرار بن

ازور، پیادوں پر عیاض بن غنم اور میسرہ پر ابو عبیدہ امیر رہے۔

فحل اُردن کا ایک آباد شہر ہے جو طبریہ سے متصل ایک جھیل کے کنارے آباد ہے رومی لشکر یرموک سے بھاگ کر فحل اور بیسان میں جمع ہو گیا تھا۔ جنگی مصلحتوں کے پیش نظر تمام نہروں کے بند توڑ دئے گئے تھے۔ جن سے پورا علاقہ زیر آب آگیا تھا۔ جسے عبور کرنا مسلمانوں کے لئے دشوار تھا۔ مگر موسم گرما کی حرارت نے زمین کو خشک کرنا شروع کر دیا تھا تاہم دلدل اسلامی لشکر کے لئے دشواریاں پیدا کر رہے تھے۔ مگر اللہ کی راہ میں سفر کرنے والوں کو کوئی رکاوٹ کب آڑے آسکتی تھی۔ اسلامی فوجیں وادئ غور میں گامزن ہو کر فحل پہنچیں۔ اور رومی فوجوں کے سامنے فروکش ہو گئیں۔

دونوں فوجیں عرصہ تک آمنے سامنے ہی خیمہ زن رہیں رومیوں نے اُردن کا کچھ علاقہ اور ہر مجاہد کو دو دو اشرفیوں کے عوض صلح کی پیشکش کی مگر ابو عبیدہ نے انکار کر دیا۔

ہرقل کے جنرل سقلا بن مخراق نے کثرت افواج کے زعم میں مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا اسے گمان تھا کہ پہلے حملہ میں وہ یرموک و دمشق کا انتقام لے لے گا اور مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو جائیں گی مگر اس کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا جب مسلمانوں نے بڑی مستعدی اور جواں مردی کے ساتھ رومیوں کو دندان شکن جواب دیا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ رات گئے تک جنگ کی آگ بھڑکتی رہی سقلا اور اس کے ہم پایہ دوسرے فوجی افسروں کے قتل ہو جانے کے بعد رومی میدان میں نہ ٹھہر سکے اور وہ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح مسلمانوں نے شام میں ایک شاندار فتح حاصل کی جس میں انہیں بے شمار مال غنیمت میسر آیا۔

فحل کی فتح عظیم کے بعد ابوالاعور نے طبریہ شرجیل بن حسنہ نے بیسان کو فتح کر لیا ان فتوحات سے اُردن، حوران کا وسیع رقبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

مرج روم کی فتح

حمص شام کا پرانا شہر اور وسیع ضلع ہے زمانہ قدیم میں اس شہر کو مذہبی تقدس اور برتری حاصل تھی۔ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بہت بڑا بُت تھا جہاں دُور دُور سے مشرکین پوجا کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ معرکہ یرموک کے دوران قیصر روم نے اُسی شہر کو اپنا مستقر بنایا تھا مگر فتح دمشق کے بعد جب اسلامی لشکر فحل کی طرف بڑھا تو وہ حمص سے نکل کر رہا چلا گیا۔

فتح فحل وبیسان کے بعد ابوعبیدہ حمص کے ارادے سے آگے بڑھے اور ذوالکلاع حمیری کے دستہ کو بھی اپنے ساتھ کر لیا جب یہ لشکر مرج روم پہونچا تو ایک بڑے رومی لشکر سے سامنا ہوا جو ہرقل نے بطریق توذر کی کمان میں بھیجا تھا اسی دوران شنس رومی ایک فوج کے ساتھ مرج روم پہونچا۔ اس طرح دو رومی لشکر مسلمانوں کے سامنے فروکش تھے۔ ابوعبیدہ اور خالد نے طے کیا کہ خالد توذر کا اور ابوعبیدہ شنس کا مقابلہ کریں۔ پوری رات تدبیر حرب میں گذری لیکن جب صبح ہوئی تو توذر کے لشکر کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ حضرت خالد نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ ان کا ہوشیار حریف رات کی تاریکی میں دمشق چلا گیا ہے تاکہ شنس پوری اسلامی فوج کو مرج روم میں الجھائے رکھے اور وہ دمشق پہونچ کر یزید بن ابی سفیان کی قلیل فوج کو شکست دے کر دوبارہ دمشق پر قابض ہو جائے جسے مسلمانوں نے بڑی محنت وکاوش اور جنگی تدبیر سے فتح کیا تھا۔ چنانچہ حضرت خالد نے ابوعبیدہ سے اجازت لے کر دمشق کا رخ کیا۔ ادھر یزید توذر کے مقابلہ کے لئے میدان میں آئے اور مدافعانہ جنگ شروع کر دی توذر نے ابھی حملہ ہی کیا تھا کہ خالد بن ولید اس پر عقب سے ٹوٹ پڑے۔ یزید بن ابی سفیان کے فوجی دستہ کو تقویت پہونچی اس کے برخلاف رومی بدحواس ہو گئے اور خالد کی آمد کی خبر پاتے ہی وہ پاؤں اٹھا کر بھاگے اور بہت سازوسامان میدان میں چھوڑ گئے۔

خالد بن ولید جب مرج روم واپس ہوئے تو حضرت ابو عبیدہ شنس پر فتح پا چکے تھے۔ اس طرح تو ذر اور شنس کی فوجیں دونوں محاذوں پر ناکام رہیں۔

حمص کی فتح

ابو عبیدہ حمص کی جانب بڑھے اور بعلبک فتح کرتے ہوئے حمص کا محاصرہ کر لیا۔ حمص والے قلعہ بند ہو گئے قیصر روم نے ان کی مدد کا وعدہ کیا تھا اور شام کی شدید سردیاں شروع ہو چکی تھیں رومیوں کا خیال تھا کہ نا قابل برداشت ٹھنڈک سے تنگ آکر عرب محاصرہ اٹھا لیں گے اور ہرقل کی فوجی کمک بھی آجائے گی۔ مگر مسلمانوں نے ثبات وصبر سے کام لیا اور ہرقل کی مدد بھی نہ پہونچی تو ان کی امیدوں پہ پانی پھر گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اہل حمص دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک صلح کرنا چاہتا تھا اور دوسرا صلح کو ذلت قرار دے کر عزت کی موت کو ترجیح دیتا تھا۔

اچانک زلزلہ آیا جس سے قلعہ کی فصیلیں شق ہو گئیں اور قدرتی مدد نے مسلمانوں کے لئے فتح آسان کر دی۔ رومی سخت پریشان ہوئے اور اپنے امیروں سے صلح کا مطالبہ کرنے لگے چنانچہ انہوں نے مسلمانوں سے خراج اور جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ ابو عبیدہ حمص میں مقیم رہے ۱۵ھ کا آدھا موسم بہار گذر گیا جاڑے کی شدت کم ہوئی تو عساکر اسلامی نئی امنگوں کے ساتھ پھر میدان کارزار کی جانب بڑھے۔

ابو عبیدہ اور خالد نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ شمال میں ایک طرف سے انطاکیہ اور دوسری جانب سے حلب پر لشکر کشی کی جائے انطاکیہ کا راستہ دریائے ارند کے کنارے ہو کر جاتا تھا اور حماۃ و شیزر درمیان میں پڑتے تھے لاذقیہ کی چوکیاں محافظ تھیں۔ حلب کے راستے میں قنسرین کا مستحکم قلعہ تھا جسے چاروں طرف سے پہاڑوں نے گھیر رکھا تھا۔

حماۃ و شیزر

ابو عبیدہ نے عبادہ بن صامت کو حمص میں چھوڑا اور خود فوج لے کر حماۃ کی طرف بڑھے پہلے اوستان نے اپنے دروازے

ان کے لئے کھول دیئے اس کے بعد اہل حماۃ نے سر اطاعت خم کر دیا اور خراج وجزیہ پر صلح کر لی اہل شیزر کو اپنی طرف مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو حماۃ والوں کی شرط پر صلح کر لی۔

لاذقیہ کی فتح ابوعبیدہ نے سلمیہ کی فتح کے بعد لاذقیہ کے سرحدی قلعہ کا رخ کیا اہل لاذقیہ قلعہ بند ہو گئے وہ مطمئن تھے کہ مسلمانوں سے مقابلہ کی قوت رکھتے ہیں مزید برآں سمندر کے راستہ سے انہیں فوجی مدد بھی حاصل ہو جائے گی محاصرہ جب طویل ہوا اور حضرت ابوعبیدہ نے قلعہ کا استحکام دیکھا تو محسوس کیا کہ اسے سر کرنا آسان نہیں اس لئے انہوں نے ایک جنگی تدبیر بروئے کار لا کر فتح کی صورت پیدا کر لی چنانچہ ایک دن محاصرہ اٹھا کر شہر سے کافی دور قیام کیا اور حکم دیا کہ اتنے گہرے گڑھے کھود دئے جائیں کہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا سوار ان میں چھپ جائے۔ لاذقیہ والوں نے مسلمانوں کو جاتے دیکھا تو اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے جب رات کی تاریکی پھیلی تو مسلمان سوار غاروں میں آکر چھپ گئے صبح کے وقت جب لاذقیہ والوں نے دروازے کھولے تو مسلمانوں نے غاروں سے نکل کر شہر پر اچانک حملہ کر دیا اور قلعہ بند رومی فوج کو گھیرے میں لے لیا مجبوراً اہل لاذقیہ نے صلح کر لی۔

فتح قنسرین قنسرین صوبہ حلب کا بارونق شہر تھا اس کا مضبوط و مستحکم قلعہ بظاہر ناقابل تسخیر تھا لیکن خالد سیف اللہ، اللہ کی نصرت وحمایت پر یقین کامل کے ساتھ آگے بڑھے انہوں نے قنسرین کی فوج اور اہل روم کی امداد کی قطعی پرواہ نہ کی اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھے۔ میناس جو ہرقل کے بعد روم کا سب سے بااثر شخص تھا ایک بڑی فوج لے کر قنسرین سے نکلا تاکہ مسلمانوں کو قنسرین کے حدود میں داخل ہونے سے روک دے ایک دن اچانک اسلامی فوج نے میناس پر حملہ کر دیا رومی اس شدید حملہ کی تاب نہ لا سکے، دمشق، حمص، حماۃ اور لاذقیہ کی پیہم شکستوں نے رومیوں کو دل برداشتہ کر دیا تھا۔ ان کے دل مسلمانوں کی ہیبت سے

لرزنے لگے بھلا وہ میدان جنگ میں کس طرح ٹھہر سکتے فرار کا راستہ اختیار کیا لیکن
خالد نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تقریباً ساری فوج تہ تیغ ہوگئی میناس بھی
قتل کر دیا گیا کچھ رومی بچ کر قنسرین بھاگ گئے جب خالد قنسرین پہونچے تو اہل قلعہ
نے دروازہ بند کر لیا خالد نے ان کے پاس تہدیدی پیغام بھیجا۔

"اگر تم بادلوں میں رہو گے تو اللہ ہمیں تمہاری طرف اٹھا کر لے جائے گا۔ یا
تمہیں ہماری طرف اتار دے گا" اس بات کو سن کر وہ لوگ ٹھنڈے دل سے
اپنے معاملات پر غور کرنے لگے چنانچہ وہ اہل حمص کی طرح صلح پر رضامند ہوئے لیکن
حضرت خالد نے صلح منظور نہ کی شہر پر حملہ کر کے اسے ویران کر دیا اہل قنسرین نے
اپنے مال ومتاع اور اہل وعیال کو تقدیر کے حوالہ کیا اور انطاکیہ بھاگ گئے۔ خالد
نے قنسرین کا مستحکم قلعہ اور اس کی پرشکوہ فصیلیں منہدم کرا دیں۔ بعد میں اہل شہر
کو امان دے کر قنسرین کے معمولات زندگی بحال کر دیئے۔ انطاکیہ بھاگنے والے
کچھ لوگ جزیہ کی شرط پر قنسرین واپس آگئے لیکن جب اسلامی لشکر واپس ہوا تو
اہل قنسرین نے بغاوت کر دی ابو عبیدہ نے ایک فوج بھیج کر ان کی سرکشی کا مزہ
چکھا دیا اور دوبارہ قنسرین پر قبضہ کر لیا وہاں ایک فوج متعین کر دی۔

فتح حلب

ابو عبیدہ اپنی فوج کے ساتھ حلب کی طرف بڑھے۔ مقام حاضر میں
فروکش ہوئے جہاں عرب کے بہت سے قبائل آباد تھے جنہوں
نے بشرط جزیہ صلح کر لی اور ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا ابو عبیدہ نے عیاض
بن غنم کو آگے بھیجا انہوں نے حلب کا محاصرہ کر لیا۔ حلب کے قلعے کافی مضبوط و
مستحکم تھے مگر جب ہمتیں ٹوٹ جائیں حوصلے پست ہو جائیں تو قلعوں کی سنگین و
سربلند فصیلیں کب تک دفاع کر سکتی ہیں۔ اہل حلب نے دمشق کے شرائط پر ابو
عبیدہ سے صلح کر لی۔ عیاض نے اہل حلب کی جان، مال، اہل وعیال، کلیسا، قلعہ کسی
کو ہاتھ نہ لگایا۔

فتح انطاکیہ

انطاکیہ زمانہ قدیم سے شام کا ایک شہر تھا۔ یونانی و رومی

بت پرستوں کے دور میں بھی اسے خاص مذہبی اہمیت حاصل تھی۔ اہل انطاکیہ نے سب سے پہلے مسیحیت قبول کی اور قیصری اقتدار کے زمانے میں اس شہر کے اندر بے شمار عظیم الشان کلیسا، تفریح گاہیں، عمارتیں، شاہی محلات، بارونق بازار قائم کئے گئے۔ انطاکیہ بحر روم کے ساحل پر ارنط کے دہانے پر واقع تھا اسی محل وقوع نے اسے تجارت کا ایک اہم مرکز بنا دیا تھا۔ جو مشرق و مغرب کا نقطہ اتصال تھا۔ یہ شہر عظمت و شوکت میں قسطنطنیہ کا ہمسر تھا۔

فتح حلب کے بعد ابو عبیدہ شام کے قیصری پایہ تخت انطاکیہ کی جانب بڑھے اس قدیم شہر کو شام کے مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں نے اپنا مامن و مستقر بنا لیا تھا۔ ان تمام عیسائیوں نے انطاکیہ کی حفاظت کے لئے کھلے میدان میں صف آرائی کی لیکن ان کے دل مسلسل شکستوں سے ٹوٹ چکے تھے مسلمانوں کا رعب ان پر چھا چکا تھا۔ ان کی ہمتیں جواب دے چکی تھیں اس لئے مختصر سی جنگ کے بعد عیسائی فوجیں فرار ہو کر شہر میں داخل ہو گئیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے محاصرہ کر لیا کچھ دنوں بعد اہل شہر نے جزیہ یا جلا وطنی کی شرط پر صلح کر لی۔ جزیہ ادا کرنے والے عیسائی انطاکیہ چھوڑ کر چلے گئے۔ جب اسلامی لشکر آگے بڑھا تو انطاکیہ والوں نے بغاوت کی اور عیاض بن غنم اور حبیب بن مسلمہ نے انہیں ہزیمت دی۔ ناچار عیسائیوں نے سابقہ شرط پر صلح کر لی۔

شام کے مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت اور عہد شکنی اسلامی فوج کے لئے درد سر تھی اس لئے ابو عبیدہ نے دربار خلافت میں سارے حالات لکھ بھیجے۔ فاروق اعظم نے مفتوح شہر اور قلعوں کی حفاظت کے لئے فوجیں مامور کر کے ان کے وظائف اور تنخواہیں مقرر کر دیں۔

ہرقل کا شام سے اخراج

انطاکیہ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے شمالی شام کے باقی ماندہ علاقوں کو فتح کیا اور بغاوتوں کی سرکوبی کی۔ پورس، بلخ، مرعش، تلغزاز وغیرہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے۔ اس

طرح عراق و شام کی فوجیں قریب ہوگئیں اور فرات کے ساحل تک تمام شامی شہروں پر قبضہ ہوگیا یزید بن ابی سفیان نے بیروت اور اس کے سرحدی قلعوں کو فتح کرلیا۔
ہرقل کو عساکر اسلامی کی شاندار فتوحات اور رومی لشکروں کی ہر محاذ پر شرمناک شکستوں کا حال رُہا میں معلوم ہوا۔ اب اسے یقین ہوگیا کہ شام کا سرسبز و شاداب علاقہ اس کی قلم رو سے نکل جائے گا وہ شکست خوردہ کھلاڑی کی طرح حوصلے کھو چکا تھا۔ ہمت جواب دے چکی تھی اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کا ستارۂ اقبال افق شام میں غروب ہو چکا ہے۔

ابھی دس سال گذرے ہیں کہ ہرقل نے ایرانیوں سے شکست کھانے کے بعد دوبارہ ان پر فتح حاصل کی تھی اور صلیب اعظم ان سے چھین کر بیت المقدس لے گیا تھا۔ لیکن آج اسی ہرقل کی طاقت ور فوج عربوں کے مقابلے میں پے در پے شکستوں سے دوچار ہے شام کے زمین و آسمان بدل چکے ہیں اب ہرقل میں سپہ سالاری کی قوت نہیں ناچار وہ رُہا سے قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں اسے ایک رومی ملا جو مسلمانوں کی قید میں رہ چکا تھا۔ ہرقل نے اس سے مسلمانوں کا حال پوچھا تو اس نے کہا۔

"وہ دن کے وقت شہسوار ہیں اور رات کے وقت راہب ہیں وہ اپنی رعایا کا مال قیمت دے کر کھاتے ہیں اور جب گھروں میں داخل ہوتے ہیں تو سلام کرتے ہیں جو کوئی ان سے جنگ کرتا ہے وہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔"

یہ سُن کر ہرقل نے کہا۔

"اگر تم مجھ سے سچ بات کہتے ہو تو وہ میرے قدموں کے نیچے کی زمین کے ضرور وارث بنیں گے۔ (طبری ج ۳ ص ۹۹)

ہرقل مایوسی کے عالم میں جب شمشاط کی پُر فضا پہاڑیوں سے گذر رہا تھا تو اس نے شام کی حسین و جمیل سرزمین پر نگاہ ڈالی اور حسرت بھرے لہجہ میں کہنے لگا۔

"سلام اے سرزمین شام یہ الوداعی سلام اس رخصت ہونے والے کا ہے جس کی کوئی تمنا نہیں ہے اور وہ پھر لوٹ کر نہ آئے گا" (طبری ج ۳ ص ۹۲)

ہرقل عزم وہمت کا جنازہ کاندھوں پر لادے ہوئے حدود شام سے نکل کر بزنطینہ پہونچا اور درماندہ مسافروں کی طرح وہیں ٹھہر گیا۔

جنگ اجنادین

عہد صدیقی میں جب اسلامی افواج شام کی طرف بھیجی گئیں تو حضرت عمرو بن عاص کو فلسطین کی فتح پر مامور کیا گیا تھا جس وقت ابو عبیدہ شمالی شام میں فاتحانہ پیش رفت کر رہے تھے حضرت عمرو بن عاص اور حضرت شرجیل بن حسنہ روم کی ان فوجوں سے لڑ رہے تھے جو فلسطین میں جمع تھیں۔ رومی فوجیں کثرت اور فراوانیٔ سامان کے اعتبار سے بہت قوی تھیں جن کی قیادت روم کا سب سے بڑا سپہ سالار ارطبون کر رہا تھا۔ جس کی دوراندیشی اور جنگی مہارت بے نظیر تھی ارطبون نے عربوں کے مقابلے میں یہ حکمت عملی اختیار کی کہ رملہ۔ ایلیاء پر لشکر متعین کیا اور ان کی حمایت کے لئے غزہ، سبسطیہ، نابلس لُد، یافا میں فوجیں پھیلادیں تاکہ پورے فلسطین پر اس کا اقتدار بھی قائم رہے اور کسی جگہ رومی شکست بھی کھا جائیں تو اس کی صحت پر اثر نہ پڑے۔

حضرت عمرو نے موقع کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے دربار خلافت سے رجوع کیا حضرت عمر نے یزید بن ابی سفیان کو حکم دیا کہ اپنے بھائی معاویہ کو قیسارؔیہ کی فتح کے لئے بھیجو تاکہ بحری راستے سے ارطبون کو مدد نہ پہونچ سکے۔

حضرت معاویہ نے قیساریہ کا محاصرہ کر لیا قلعہ مستحکم تھا کافی دنوں تک معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں بالآخر رومیوں نے فیصلہ کن جنگ کا ارادہ کیا اور کھلے میدان میں دونوں لشکر نبرد آزما ہوئے۔ رومیوں نے عبرت ناک شکست کھائی اور ایک عظیم رومی لشکر تباہ وبرباد ہو گیا۔

غزہ بھی فتح ہو گیا تو حضرت عمرو بن عاص کو سمندر کی طرف سے اطمینان ہو گیا ارطبون نے اپنے لشکر کے ساتھ اجنادین کی طرف بڑھنا چاہا تو حضرت عمرو بن عاص

نے علقمہ بن حکیم اور مسروق مکی کو اس کی طرف بھیجا جہاں انہوں نے ارطبون کی فوجوں کو الجھائے رکھا اور وہ خود ایک فوج لے کر اجنادین پہونچ گئے۔ جہاں رومیوں نے قلعہ کے گرد خندقیں کھود رکھی تھیں اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔

حضرت عمرو نے اجنادین کا محاصرہ کر لیا اور ایک فوج کو بیت المقدس کا محاصرہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔

جب نقشہ جنگ مرتب ہو گیا تو کھلے میدان میں معرکہ کارزار گرم ہوا اور یرموک کی طرح قیامت کا رن پڑا۔ طرفین کے بے شمار افراد قتل ہوئے مسلمانوں کی جرأت و استقلال نے رومیوں کو حیرت زدہ کر دیا جب سورج ڈوبنے لگا تو ارطبون کی فوج میں ابتری پیدا ہو گئی اور وہ ہزیمت کھا کر بیت المقدس کی جانب پسپا ہو گئے۔ ارطبون بھی اپنی بچی ہوئی فوج کو لے کر بیت المقدس میں داخل ہو گیا۔ یہ معرکہ ۱۵ھ میں ہوا۔

فتح بیت المقدس ۱۶ھ ؁۶۳۷ء

جنگ اجنادین سے فراغت پا کر حضرت عمرو بن عاص نے غزہ، نابلس، جرین، بیت، یافا، لد، عمواس وغیرہ کو فتح کیا پھر بیت المقدس کا قصد کیا۔ یہ شہر اہل کتاب کا قبلہ تھا جسے یہود و نصاریٰ عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ تحویل قبلہ کا حکم آنے سے قبل مسجد اقصیٰ مسلمانوں کی سمت قبلہ تھی۔ یہ شہر مذہبی اعتبار سے اتنا مقدس تھا کہ نصرانیوں نے ہر دور میں اس کے تحفظ و سالمیت کو مقدم رکھا جب اسلامی لشکر نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو ارطبون کے باقی ماندہ لشکر نے قلعہ بند ہو کر دفاعی مورچہ قائم کر لیا۔ ہر چند کہ شام کے مشہور شہر اور مضبوط قلعے فتح ہو چکے تھے۔ قیصر روم جا چکا تھا۔ نصرانیوں میں مسلمانوں سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی پھر بھی وہ اس شہر کو بچانے کے لئے سعیٔ لاحاصل کر رہے تھے محاصرہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولید بھی اپنی فوجوں کے ساتھ بیت المقدس پہونچے مسلمانوں نے مستحکم قلعہ کا محاصرہ سخت کر دیا جب اہل شہر کو یقین ہو گیا کہ صلح کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تو انہوں

نے صلح کی درخواست کی شرائط صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ امیر المؤمنین خود آکر صلح کی تکمیل کریں۔ اور معاہدۂ صلح تحریر فرمائیں۔

قاصد مدینہ منورہ بھیجا گیا اور حضرت عمر نے مشورہ کیا اور حضرت علی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر ایک مختصر قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے اور شام میں مقیم اسلامی افواج کے سپہ سالار کو جابیہ میں ملنے کا حکم بھیجا۔

تعمیل حکم کے لئے ابوعبیدہ، یزید بن ابی سفیان، خالد بن ولید جابیہ پہونچے ان کے جسم پر دیبا و حریر کے پُر تکلف لبادے تھے جنہیں دیکھ کر حضرت عمر غضب ناک ہو گئے اور ان پر سنگ ریزے پھینکتے ہوئے فرمایا: "اتنی جلد تم لوگوں نے اپنی وضع بدل دی خدا کی قسم اگر دو سو برس تمہارا یہی طرز عمل رہا تو خدا تم کو بدل کے تمہاری جگہ اوروں کو حکمراں کر دے گا۔" سرداران لشکر نے معذرت کے لہجے میں کہا۔ امیر المؤمنین ان قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں۔ تو حضرت عمر کا غصہ فرو ہوا فرمایا پھر کوئی حرج نہیں! حضرت عمر سالاران لشکر کے ساتھ جابیہ میں اقامت گزیں ہو گئے۔

ایک دن بیت المقدس کے معزز سرداروں کا ایک وفد حضرت عمر کی خدمت میں جابیہ پہونچا۔ جس نے بتایا کہ رومیوں کے دونوں کمانڈر مصر چلے گئے ہیں اور ہم اسقف صفر ینوس کے ایلچی ہیں۔ صلح کے لئے حاضر ہوئے ہیں حضرت عمر نے درج ذیل صلح نامہ تحریر کرایا۔

"یہ وہ رعایتیں ہیں جو اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر نے اہل ایلیا کو دیں ان کی جان۔ مال۔ گرجے۔ صلیب۔ بیمار۔ تندرست اور جملہ اہل مذہب کو امان دی جاتی ہے کسی کو ان کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور نہ وہ منہدم کئے جائیں گے اور نہ ان کے احاطے کو کچھ نقصان پہونچایا جائے گا اور ان کی صلیبوں اور ان کے موقوفات میں کچھ کمی نہ کی جائے گی مذہب کی بابت ان پر کچھ جبر نہ کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو کچھ

ضرر پہونچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہیں رہ سکتے اہل ایلیا پر یہ فرض ہے کہ اہل مدائن کی طرح وہ جزیہ دیں یونانیوں اور مفسدوں کو نکال دیں پس یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کو امن ہے تا وقتیکہ وہ محفوظ مقام تک پہنچ جائے اور ان میں سے جو ایلیا میں رہنا چاہیں تو ان کو بھی امن ہے اور انہیں اہل ایلیا کی طرح جزیہ دینا ہوگا اور جو اپنی جان و مال کے ساتھ جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے تاآنکہ وہ اپنے محفوظ مقام تک پہونچ جائیں اور جو کچھ اس عہد نامہ میں ہے اس پر اللہ اور اس کے رسول اور اس کے جانشیں اور مومنین کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ اہل ایلیا مقررہ جزیہ دیں۔" (ابن خلدون ج ۴ ص ۸۰۷۹)

صلح نامہ پر حضرت عمر۔ خالد بن ولید۔ عمرو بن عاص، عبدالرحمٰن بن عوف۔ معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے دستخط ثبت کر دئے۔ اس صلح نامہ کی رو سے مسلمان قبلہ اول کے پاسبان ہو گئے۔ اسقف صفر نیوس اور اہل شہر جان و مال، عزت و ثروت، دین و مذہب کی امان و آزادی کا پروانہ پا کر بے حد خوش ہوئے۔ شہر کے دروازے کھول دئے گئے اسلامی لشکر فاتحانہ شان کے ساتھ مسجد اقصیٰ کے شہر میں داخل ہوا جہاں ان کے پیغمبر نے شب معراج انبیاء کی امامت کی تھی اور یہیں سے آسمانی سفر پر روانہ ہوئے تھے۔

حضرت عمر نے صلح نامہ مکمل کر کے حضرت ابوعبیدہ اور حضرت خالد کو شمالی شام میں اپنی اپنی خدمت پر روانہ کیا۔ پھر حضرت عمرو بن عاص اور شرجبیل بن حسنہ کے ساتھ بیت المقدس پہونچے معززین شہر نے استقبال کیا فاروق اعظم نے اپنے اخلاق حسنہ سے ان کے دل جیت لئے۔ قیصر روم کا جبر و استبداد سے بھرپور عہد حکومت اور اس کی نخوت و کبر سے معمور شخصیت انہوں نے دیکھی تھی۔ آج وہ اسلام کا نظام عدل اور امیر المؤمنین کی انسانیت دوست۔ سادہ و بے تکلف برگزیدہ شخصیت کے جلوے دیکھ رہے تھے۔ حقیقت بے نقاب ہو چکی تھی

بیت المقدس بے شمار آثار اور عبادت گاہوں کا قدیم شہر تھا۔ ہیکل سلیمانی کے کھنڈرات، محراب داؤد۔ صخرۂ یعقوب تھے۔ جہاں عیسائی عقیدت کے مطابق حضرت عیسیٰ کی جائے مزار اور یہودیوں کے لئے ارض معاد تھی اس نوع کے بہت سے آثار بیت المقدس کی امانت تھے۔ بطریق صفرنیوس نے حضرت عمر کی رکاب میں رہ کر مذہبی مقامات کی زیارت کرائی جب آپ کنیسۃ القیامہ پہونچے نماز کا وقت آگیا تو عیسائیوں نے وہیں نماز کے لئے فرش بچھایا لیکن فاروق اعظم نے وہاں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور کنیسہ سے باہر مقدس پتھر (صخرۂ یعقوب) کے قریب ہیکل سلیمانی کے کھنڈر پر نماز ادا کی۔ جہاں بعد میں مسلمانوں نے مسجد عمر کے نام سے ایک عالی شان مسجد تعمیر کی۔ کنیسہ میں نماز نہ پڑھنے کا عذر ایک ایسا واقعہ ہے جو مذاہب کی تاریخ اور دنیا کے مختلف المذاہب انسانوں کے باہمی تعلقات پر کافی اہم اثر ڈالتا ہے یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اسلامی رواداری اور لا اکراہ فی الدین کے اصول پر حضرت عمر کا صادق تمسک جھلکتا ہے اور اس سے قرن اول کے مسلمانوں کی اس سیاست پر روشنی پڑتی ہے جو مذہبی آزادی کی بنیادوں پر قائم تھی جس کا اصول یہ تھا کہ دین حق کی دعوت، حکمت اور دل نشیں نصیحت کے ساتھ دینی چاہئے۔

فتح کے بعد فلسطین کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ایک پر علقمہ بن حکیم عامل مقرر کئے گئے اور رملہ میں ان کو قیام کا حکم دیا گیا۔ دوسرے حصہ پر علقمہ بن محرز کو امیر مقرر کیا گیا اور انہیں بیت المقدس میں ٹھہرایا گیا۔

چند دن قیام کے بعد فاروق اعظم مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔

حمص پر قبضہ کی ناکام کوشش

شام کی فتوحات مکمل ہونے کے بعد اہل جزیرہ نے ہرقل کے پاس لکھا۔ "آپ شام کی طرف متوجہ ہوں اور حمص پر دوبارہ قبضہ کر لیں۔ ہم عسکری امداد کے لئے حاضر ہیں۔" اہل جزیرہ نے ایک بڑی فوج ہیبت کی طرف روانہ کی جس کی سرحد عراق سے ملتی

تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے عمرو بن مالک کو ہیت کی طرف بھیجا۔ عمرو نے ہیت کا محاصرہ کر لیا لیکن قلعہ مستحکم تھا اس کے گرد گہری خندقیں تھیں جب محاصرہ طویل ہوا تو عمرو نے اپنی فوج کا نصف حصّہ حرث بن زید کی قیادت میں ہیت چھوڑ کر خود آدھی فوج کے ساتھ قرقیسیا کا محاصرہ کر لیا۔ قرقیسیا والوں نے جزیہ پر صلح کر لی۔ اہل ہیت نے بھی جزیہ پہ صلح کر لی۔ ادھر ہرقل نے ایک بڑی فوج حمص کی طرف روانہ کی حضرت خالد بن ولید قنسرین سے حمص پہونچ گئے ابو عبیدہ نے تازہ صورت حال کے پیش نظر دربار خلافت میں امداد کی درخواست کی۔ حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ فی الفور قعقاع بن عمرو کو چار ہزار فوج کے ساتھ حمص بھیجو! اور سہیل بن عدی کو رُقہ کی طرف بھیج کر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روکو! عبداللہ بن عتبان کو نصیبین ہوتے ہوئے حران و رُہا کی طرف پیش قدمی کا حکم دو۔ ولید بن عقبہ کو قبائل عرب ربیعہ و تنوخ کی روک تھام پر مامور کرو۔

رومی فوج حمص کے پاس پہونچ گئی۔ لیکن جزیرہ یا دوسرے علاقوں سے ان کی معاون فوج نہ آسکی۔ حضرت ابو عبیدہ نے حضرت خالد کی معیت میں رومی لشکر کے مقابل صف آرائی کی۔ مجاہدین اسلام نے رومی فوج کو ہزیمت دی۔ ملک شام میں قیصر روم کی یہ آخری کوشش تھی جسے مسلمانوں نے ناکام بنا دیا اس کا یہ اثر ہوا کہ جزیرہ کے تمام شہر بڑی آسانی کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ آگئے۔

قحط اور طاعون عمواس

اسلامی لشکروں نے شام و عراق اور ایران کے مغربی علاقوں کی فتح سے فراغت پائی تھی۔ قیصر روم اور کسرائے فارس کے اندیشوں سے تقریبًا نجات مل چکی تھی۔ مدینہ اور جزیرہ نمائے عرب کے مسلمان پیہم فتوحات سے مسرور ہو رہے تھے۔ اموال غنیمت کی کثرت نے عربوں کو عسرت اور تنگ دستی کی بدحال زندگی سے نکال کر تمدنی فراخی اور خوش حالی سے نہال کر دیا تھا۔ مسلسل کامرانیوں اور بے فکر معیشت کے زریں دور میں دو ہولناک مصیبتیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔

جو ۱۷ھ کے اواخر سے شروع ہوکر ۱۸ھ کے خاتمہ تک مسلط رہیں۔ ایک مصیبت تو جزیرہ نمائے عرب میں قحط کی صورت میں اور دوسری ملک شام میں لشکر اسلام پر طاعون کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

قحط | وہ ہولناک قحط تھا جس نے پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا جو مسلسل نو ماہ تک جاری رہا۔ جس میں کھیتیاں تباہ ہوئیں۔ مویشی بکثرت ہلاک ہوئے اور انسانوں کو حد درجہ مصائب و آلام سے گزرنا پڑا۔ پورے نو ماہ بارش کی ایک بوند نہ پڑی اور آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے۔ جس سے زمین کی سطح اور اس کی ساری نباتات جلنے لگی۔ جب ہوا چلتی ساری فضا گرد آلود ہو جاتی۔ اسی لئے لوگوں نے اس سال کا نام عام الرمادہ رکھ دیا۔ پانی کی قلت، کھیتیوں کے جلنے اور آندھیوں کے چلنے سے قحط نے ہلاکت آفریں شکل اختیار کرلی۔ انسان و حیوانات بکثرت ہلاک ہوئے۔ بازار سنسان پڑ گئے لوگوں کے پاس زر و جواہر تھے مگر اجناس کا فقدان تھا۔ پیٹ کی آگ بجھانا سخت دشوار ہوگیا۔

ابتدا میں اہل مدینہ پر قحط کا اثر نہ تھا اس لئے کہ وہ مدنی زندگی کا شعور رکھتے تھے اس لئے ضروریات زندگی کے ذخیرے ان کے پاس تھے لیکن جب بدوی قبائل بھوک اور پیاس سے تنگ آئے تو انہوں نے دربار خلافت کا رخ کیا رفتہ رفتہ مدینہ لوگوں سے بھر گیا اور سارے اندوختے ختم ہونے لگے۔ فاروق اعظم نے لوگوں کی تکلیفوں کا شدت کے ساتھ احساس کیا عراق اور شام کے عمال کو اہل عرب کی مدد کے لئے خطوط لکھے امرائے عراق و شام نے خوب حق تعاون ادا کیا۔ حضرت ابوعبیدہ سامان خورد و نوش سے لدے ہوئے چار ہزار اونٹ لے کر مدینہ پہونچے۔ عمرو بن عاص نے ایک ہزار اونٹ اور ایلہ کی بندرگاہ سے بیس جہازیں بھر کر گھی اور آٹے بھیجے۔ حضرت امیر معاویہ نے شام سے تین ہزار اور سعد بن ابی وقاص نے ایک ہزار اونٹ بھیجے جن پر آٹے لدے ہوئے تھے۔

حضرت عمر پوری پوری رات نمازیں پڑھتے دعائیں کرتے کہ امت ان کے

ہاتھوں ہلاک نہ ہو۔ مگر دعائیں بے اثر رہیں تو نماز استسقاء کا فیصلہ کیا اور حضور کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کو ساتھ لے گئے لوگ افلاس وافلاک کی تصویر بنے۔ اُداس چہروں اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ مدینہ کے باہر جمع ہوئے نماز کے بعد حضرت عمر گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور حضرت عباس کا ہاتھ پکڑ کر (جو اس وقت رسول اکرم کی ردائے مبارک اوڑھے ہوئے تھے) آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا: "یا اللہ ہم تیرے رسول کے چچا کو تیری بارگاہ میں شفیع بناتے ہیں۔ حضرت عباس نے بھی دعا کی۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی۔ رحمت ایزدی کو جوش آیا۔ گھٹائیں جھوم کر برسیں۔ پیاسی زمین دیکھتے دیکھتے سیراب ہو گئی اور جس جگہ خاک اڑتی تھی اب سبزے لہلہانے لگے پورے جزیرہ نمائے عرب نے آسودگی کی سانس لی۔

طاعون

اسی زمانے میں ملک شام کے ایک شہر عمواس میں شدید طاعون پھیلا جس نے پورے شام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس کے اثرات عراق تک پھیلنے لگے اس قیامت خیز وبا نے پچیس ہزار مسلمانوں کو لقمہ اجل بنا دیا۔ جن میں امت اسلام کی برگذیدہ ہستیاں، نامور کمانڈر، حوصلہ مند مجاہدین کی ناقابل تلافی تعداد شامل تھی۔ ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل۔ یزید بن ابی سفیان، حارث بن ہشام۔ سہیل بن عمرو۔ عتبہ بن سہیل اور اسی مرتبہ کے سیکڑوں اعیان واکابر تھے اس بلائے بے درماں کی تباہ کاریوں کے تصور سے لوگ لرز گئے۔

حضرت عمر کو طاعون کی اطلاع ملی تو شام کے سفر پہ روانہ ہوئے مقام تبوک کے قریب سُرغ میں حضرت ابوعبیدہ، یزید بن ابی سفیان اور شرجیل بن حسنہ حاضر خدمت ہوئے اور بتایا کہ سرزمین شام جراثیم زدہ ہو گئی ہے آپ نے اصحاب رائے صحابہ سے مشورہ کیا کہ آگے بڑھا جائے یا واپس مدینہ لوٹا جائے سب نے بیک زبان واپسی کا مشورہ دیا۔ صبح ہوتے ہی حضرت عمر نے فرمایا میں واپس جا رہا ہوں تم بھی واپس چلو اس فیصلہ کے وقت ابوعبیدہ موجود نہ تھے جب ان کو علم ہوا تو حضرت عمر سے کہا: "عمر! قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟" تھوڑی

دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت عمر نے کہا "ہاں میں قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف بھاگ رہا ہوں"۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تشریف لائے اور کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جہاں پر وبا ہو وہاں نہ جاؤ۔ اگر اتفاق سے اس مقام پر وبا پھیل جائے جہاں پر تم ہو تو وہاں سے نہ بھاگو"۔ یہ حدیث سن کر حضرت عمر نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مراجعت کی۔

(ابن خلدون ج ۴ ص ۱۱۱)

حضرت عُمر کا سفرِ شام ۱۸ھ

وبا کے خاتمہ کے بعد حضرت عمر ایلیہ روانہ ہوئے اور جابیہ میں قیام کیا جہاں شام و فلسطین کے عمال نے حاضر ہو کر مسلمانوں کی بپتا بیان کی۔ آپ نے تمام ملک شام کا دورہ فرمایا اور مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے معاملات کی چھان بین کی اور ان کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کیا۔ عربوں کے لئے جاڑے اور گرمی کی فرودگاہیں متعین کیں پھر شام کی سرحدوں اور چھاؤنیوں کو مستحکم کیا غذا کی تقسیم کا انتظام بحال کیا۔ مرحومین عمواس کا ترکہ ان کے مستحقین تک پہونچوا دیا اس طرح سابقہ نظام بحال ہو گیا۔ طویل خوف و دہشت کے بعد لوگوں کو سکون حاصل ہوا۔ حضرت عمر نے ابو عبیدہ کی جگہ شرجیل بن حسنہ کو اور یزید بن ابی سفیان کی جگہ ان کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان کو والی مقرر کیا واپسی کے وقت مقام جابیہ میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں نے اپنے دورِ خلافت میں تمہارے حقوق ادا کئے ہیں جو اللہ تعالےٰ نے مجھ پر مقرر کئے ہیں ہم نے تمہارے مال غنیمت اور گھروں کی تقسیم میں عدل و انصاف سے کام لیا اس طرح تمہارے جنگی امور میں بھی انصاف کیا اور تمہارے حقوق ادا کئے ہم نے تمہارے لئے فوجوں کا انتظام کیا تمہاری سرحدوں کی حفاظت کی تمہیں آباد کیا اور جہاں تک تمہارا مال غنیمت حاصل ہوا اس کے مطابق ہم نے تمہیں وسیع حصہ دیا اور تمہاری غذائیں پوری کیں ہم نے حکم دیا کہ

تمہیں عطیات و وظائف دیئے جائیں اور تمہیں ہر ممکن امداد دی جائے جسے کچھ معلومات حاصل ہوں اسے چاہئے کہ وہ اس پر عمل بھی کرے اور ہمیں اطلاع بھی دے ہم اس پر عمل کریں گے تمام اختیار اللہ ہی کو حاصل ہے۔" (طبری ج ۳ صہ ۱۶۶)

اسی اثناء میں نماز کا وقت آ گیا لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیں (رحلت رسول کے بعد حضرت بلال نے اذان دینی چھوڑ دی تھی) امیرالمؤمنین کے حکم پر حضرت بلال نے اذان دینی شروع کی ان کی آواز اور انداز ندا کو ماہ و سال کی گردشیں متاثر نہ کر سکی تھیں صحابۂ کرام کو عہد رسالت کے مقدس لیل و نہار یاد آ گئے عالم خیال میں عہد نبوت کی یادیں پردۂ ذہن پر ابھرنے لگیں جو سرمایۂ حیات تھیں۔ صحابۂ کرام پر رقت طاری ہو گئی آنکھوں سے مینہ برسنے لگا۔ داڑھیاں تر بہ تر ہو گئیں دوسرے مسلمان بھی اشک بار ہو گئے حضرت عمر سب سے زیادہ متاثر تھے۔ حضرت بلال کی آواز میں اذان کے مقدس کلمات بیت المقدس کے قریب شام کی فضاؤں میں پہلی اور آخری بار گونجے۔

حضرت عمر شام سے مدینہ منورہ آ گئے۔ وہ اس کے بعد عراق جانا چاہتے تھے مگر ارادے کی تکمیل نہ ہو سکی۔

فتح قیساریہ

۱۹ھ قیساریہ علاقہ فلسطین میں واقع ہے عہد عتیق کا یہ شہر بحر شام کے ساحل پر آباد تھا سب سے پہلے ۱۳ھ میں حضرت عمرو بن عاص نے جنہیں فلسطین کی مہم کا امیر مقرر کیا گیا تھا اس شہر پر فوج کشی کی طویل محاصرہ کے باوجود شہر فتح نہ ہو سکا۔ پھر یزید بن ابی سفیان نے اس شہر کا محاصرہ کیا لیکن ان سے بھی یہ معرکہ سر نہ ہو سکا۔ جب مرض طاعون میں آپ کا انتقال ہو گیا اور ان کی امارت حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے ہاتھ آئی تو آپ نے بڑے اہتمام کے ساتھ قیساریہ پر حملہ کر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ عیسائیوں نے کئی بار میدان میں نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر بھاگے لیکن شہر کی تسخیر نہ ہو سکی۔

ایک دن یوسف نامی یہودی امیر معاویہ کے پاس آیا اس نے قلعہ میں داخل ہونے والی ایک سُرنگ کی نشان دہی کی۔ منتخب مجاہدینِ اسلام نے سُرنگ کی راہ سے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ کھول دیا ساری اسلامی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی اسّی ہزار عیسائی سپاہ نے شکست فاش کھائی بہت کم عیسائی سپاہیوں نے جان بچائی۔ اس فتح نے پورے شام سے رومی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

فتوحاتِ مصر

مصر عہدِ عتیق میں تہذیب و ثقافت، علم و حکمت، صنعت و حرفت کا گہوارہ رہ چکا ہے۔ جس کا تجارتی و ثقافتی رشتہ عہد جاہلی میں بعثت نبوی سے سیکڑوں سال پیشتر قائم ہو چکا تھا تجّار کی آمد و رفت کے علاوہ عرب میں بعض مصریوں نے اور حدودِ مصر میں بعض اہل عرب نے بود و باش اختیار کر لی تھی۔ یہ ملک تمدنی سیاسی اور جنگی نقطۂ نظر سے عربوں کے لئے نہایت اہم تھا۔ فتوحات اسلامی سے قبل مصر کے مذہبی و سیاسی حالات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

۳۰ ق۔م۔ رومیوں نے مصر پر قبضہ کر کے اس کے قدیم باشندوں کو حکومت سے بے دخل کر دیا تھا اور وہاں کی پیداوار اپنے ملک میں لے جانے لگے اور طرح طرح کے ٹیکسوں سے اہل مصر کو مفلوک الحال بنا دیا اور ان کی علمی، ادبی، ثقافتی شان جاتی رہی۔ جب اہل مصر نے عیسائیت اختیار کرنی شروع کی تو اس وقت کے بُت پرست رومی حکمرانوں نے انہیں مشق ستم بنانا شروع کر دیا۔ جب قسطنطین اعظم نے ۳۱۲ء میں مسیحیت قبول کر لی تو مصر کے مسیحیوں کو ذرا سکون ملا۔

مگر عیسائیوں کے اندر جب دو متصادم فرقے یعقوبی اور کلکی پیدا ہوئے اور ان کے درمیان حقیقت مسیح کے بارے میں شدید اختلافات رونما ہوئے

تو چونکہ اہل مصر یعقوبی تھے اس لئے کلکی رومیوں نے انہیں تشدد کا نشانہ بنانا شروع کر دیا اس طرح مصر کے قدیم باشندے رومیوں کے ہم مذہب ہوتے ہوئے بھی رومی سلطنت کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔

فتح مصر کا ارادہ

حضرت عمرو بن عاص زمانۂ جاہلیت میں بارہا مصر کا سفر کر چکے تھے وہاں کی تہذیب و تمدن، سرسبزی و شادابی سے متاثر ہوئے تھے۔ زمانہ اسلام میں جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا حضرت عمرو بن عاص کو فتح مصر کا خیال بے چین کئے ہوئے تھا ۱۶ھ میں جب حضرت عمرؓ بیت المقدس پہونچے تو ابن عاص نے اپنے خیال کا اظہار کیا اور کہا کہ رومی سپہ سالار ارطبون فرار ہو کر مصر چلا گیا ہے جہاں وہ فوجی تیاریوں میں مصروف ہے. وہ قیصر روم کی مدد سے شام پر حملہ آور ہو سکتا ہے اس لئے مصر سے رومیوں کا اقتدار ختم کرنا شام و فلسطین کی سالمیت کے لئے ضروری ہے. مگر حضرت عمرؓ نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اس لئے کہ ابھی شمالی شام اور ایران کی فتوحات تشنۂ تکمیل تھیں .

۱۸ھ/۶۳۹ء میں جب حضرت عمر شام آئے تو مقام جابیہ میں حضرت عمرو بن عاص نے مصر پر حملہ کی اجازت طلب کی حضرت عمر نے مسلمانوں کی مشقت اور دور دراز علاقہ میں پیش قدمی کے منفی اندیشوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پس و پیش کیا لیکن حضرت عمرو بن عاص نے مصر کی فتوحات کے فوائد اور اسے نظر انداز کرنے کی صورت میں پیش آنے والے نقصانات کو دلائل کی روشنی میں واضح کیا. پھر مصر کی مہم پر یقینی کامیابیوں کے اسباب بھی بیان کئے اور وادیٔ نیل کے سرسبز و شاداب علاقوں کی تسخیر کے لئے محض چار ہزار مجاہدین اسلام کی فوج کافی ہوگی اور اگر اتنی فوج شام سے ہٹا بھی لی جائے تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تقریباً شام و فلسطین کے تمام علاقے زیر نگیں ہو چکے ہیں، اس سے حضرت عمر کے موقف میں ذرا نرمی پیدا ہوئی انہوں نے فرمایا کہ مدینہ پہونچ کر خط لکھیں گے .

اجازت

اب حالات کافی بدل چکے تھے اور مصر پر حملہ کا خیال بھی فی نفسہٖ بڑی دل کشی رکھتا تھا۔ زرخیزی، قدامت، اور تاریخی آثار کی کثرت میں دنیا کا کوئی خطہ اس وقت مصر کے ہم پلہ نہ تھا۔ پھر جنگی نقطۂ نظر سے اس کی فتح ناگزیر تھی اس لئے حضرت عمر نے مدینہ پہونچتے ہی صحابہ کی مجلس شوریٰ میں حملۂ مصر کے مسئلہ کو رکھا اور حضرت عمرو بن عاص کے دلائل کو دہرا کر مشورہ چاہا حاضرین میں اختلاف تھا مگر فیصلہ مصر پر فوج کشی کے حق میں ہوا۔ حضرت عمر نے شریک بن عدہ کی معرفت حضرت عمرو بن عاص کو مصر پر فوج کشی کی اجازت دی۔ چنانچہ وہ چار ہزار یمنی سپاہ کو ساتھ لے کر عریش کی جانب روانہ ہوگئے۔

ادھر مدینہ منورہ میں مصر پر فوج کشی کی مخالفت ہونے لگی تو حضرت عمر نے ابن عاص کو یہ فرمان بھیجا۔

"اگر میرا یہ خط سرحد مصر پار کرنے سے پہلے وصول ہو تو جہاں سے چلے ہو وہیں لوٹ جاؤ اور اگر سرحد پار کر چکے ہو تو پیش قدمی جاری رکھو میں تمہارے لئے کمک روانہ کردوں گا۔" (الفاروق عمر ص۴۳۵)

قاصد جب خط لے کر حضرت عمرو بن عاص کے پاس پہونچا تو اسلامی فوج حدود مصر میں داخل ہوچکی تھی اور مقام رفح میں تھی ابن عمرو نے امیر المومنین عمر کا خط پڑھ کر فوج کو سناتے ہوئے کہا امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ مصر کی سرحد میں داخل ہونے سے پہلے میرا خط ملے تو مراجعت کرلی جائے۔ لیکن یہ خط اس وقت ملا ہے جب ہم مصر میں داخل ہوچکے ہیں اس لئے اللہ کی مدد پر اعتماد کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلو۔

فتح عریش

حضرت عمرو بن عاص مجاہدین اسلام کو لے کر عریش پہونچے لیکن وہاں رومی مقابلہ پر نہ آئے اور جنگ کے بغیر عریش فتح ہوگیا۔ جہاں اسلامی لشکر نے عید الاضحیٰ منائی حضرت عمرو بن عاص نے فتح کی خوشی میں ایک مینڈھا ذبح کیا۔

فتح فرما

حضرت عمرو بن عاص اپنے فولادی عزائم کے ساتھ اس راستہ پر چل پڑے جو ایشیا سے مصر جانے والے سیاحوں اور تاجروں کا راستہ تھا. اسی راستہ سے ۲۵ سال پہلے ایرانیوں نے مصر پر حملہ کیا تھا جب اسلامی لشکر فرما پہونچا تو رومی فوج مقابلہ کے لئے تیار تھی عریش سے فرما کی مسافت ۷۰ میل ہے.

فرما دریائے نیل کے کنارے ایک قدیم شہر ہے جس میں کنیسہ وغیرہ کی شاندار عمارتیں تھیں. ایک سنگین قلعہ اور مضبوط شہر پناہ تھی. ساحل بحر پر اس کا بندرگاہ بھی تھا دریائے نیل کی ایک نہر بندرگاہ سے ملتی تھی. فرما میں ایک بڑا رومی لشکر تھا اور مزید کمک پہونچنے کی امید بھی تھی دشمنوں کے نرغے میں یہ پہلا معرکہ تھا اس لئے محاصرہ سے قبل سالار لشکر نے فرمایا.

"شام اور ایران میں مسلمانوں نے دشمنوں سے جہاں کہیں مقابلہ کیا ہے اس وقت ان کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے لیکن وہ ہر لڑائی میں دشمن پر کامیاب ہوئے ہیں اس لئے کہ اللہ ان کے ساتھ تھا" (الفاروق عمر صفحہ ۲۴۴)

مسلمانوں نے عزم و ہمت کے ساتھ فرما کا ایک ماہ تک محاصرہ جاری رکھا اس دوران رومی فوج کبھی کبھی نکلتی. معمولی جھڑپوں کے بعد واپس لوٹ جاتی ابن عمرو اپنی ضروریات کے لئے گردو نواح میں چھاپے مار کر رسد فراہم کرتے رہے. رومیوں کا خیال تھا کہ عربوں کی مختصر سی تعداد پریشان ہو کر خود بخود واپس ہو جائے گی اور ہرقل کی امداد ان کے پاس ضرور آئے گی مگر جب دونوں توقعات پوری نہ ہوئیں تو رومی سپہ سالار نے عربوں کو شکست دینے کے لئے صف آرائی کی. جنگ شروع ہوئی مسلمانوں نے بپھرے ہوئے شیروں کی طرح رومیوں پر شدید حملے کر دئے. رومی سالار نے جب یہ رنگ دیکھا تو حکم دیا کہ فوج شہر کی طرف سمٹ کر پناہ گزیں ہو جائے. مسلمانوں نے حوصلہ مندی کا ثبوت دیتے ہوئے ان پر حملے کر کے کشتوں کے پشتے لگا دئے جس سے رومی فوج منتشر ہو گئی اور مجاہدین نے شہر کے دروازہ پر قبضہ کر لیا اور قلعہ پر مسلط ہو گئے اس طرح مسلمانوں کو شاندار

فتح حاصل ہوئی حضرت عمرو بن عاص نے تمام قلعوں کو منہدم کرادیا اور تمام جہازوں میں آگ لگوادی جو قریب کی بندرگاہ میں لنگر انداز تھے۔ پھر ایک نیا قلعہ بنایا۔

فتح بلبیس

فرما اسلامی لشکر اس مقام پر پہونچا جہاں اس وقت قنطرہ آباد ہے وہاں سے جنوب مغرب کی جانب آگے بڑھتے ہوئے بلبیس پہونچے جہاں سے مصر کے شہروں اور قلعوں کا فاصلہ صرف ۲۲ میل تھا۔

بلبیس میں شاہ مصر مقوقس کے نمائندے حضرت عمرو بن عاص سے ملے حضرت عمرو نے فاروق اعظم کی ہدایت کے مطابق تین باتیں پیش کیں (الف) ہم تم کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں جو شخص اسلام قبول کرے گا وہ ہمارا بھائی ہے (ب) جو انکار کرے گا اس سے جزیہ لیں گے اور بدلے میں اس کی حفاظت کریں گے (ج) یا پھر جنگ فیصلہ کرے گی۔ پادریوں نے مہلت چاہی حضرت عمرو نے فرمایا "مجھے دھوکہ نہیں دیا جاسکتا لیکن میں تم کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں وفد نے ساری باتیں مقوقس کو بتادیں۔

بیت المقدس سے فرار ہونے والا رومی سپہ سالار ارطبون بلبیس میں موجود تھا اس نے مسلمانوں سے جنگ پر اصرار کیا اسے اعتماد تھا کہ بارہ ہزار مسلح فوج سے مسلمانوں کو شکست فاش دے کر مرعوب رومیوں کے حوصلوں کو قوت بخشے گا ارطبون نے رات کی تاریکی میں اسلامی فوج پر اچانک حملہ کردیا۔ مگر اسلامی فوج کسی بھی اچانک حملہ سے غافل نہ تھی۔ شدید معرکہ کارزار گرم ہوا فتح مسلمانوں کا مقدر بن چکی تھی اس لیئے ارطبون کی فوج شکست فاش کھا کر فرار ہوگئی۔ ایک ہزار رومی مارے گئے اور تین ہزار اسیر ہوئے۔ ارطبون کا لشکر تتر بتر ہوگیا

فتح اُم دُنین

بلبیس سے عمرو بن عاص اُم دُنین پہونچے جو دریائے نیل پر خلیج تراجان کے منبع کے پاس واقع تھا۔ یہ خلیج سوئز کے قریب شہر مصر کو بحیرۂ روم سے ملاتی تھی جہاں اس وقت قاہرہ واقع ہے وہیں اُم دُنین کی بستی تھی جسے رومیوں نے قلعہ بند کر رکھا تھا۔ یہ بستی بابلیون کے

شمال میں تھی اس طرح ام دنین مصر کی سب سے پہلی دفاعی چوکی تھی جس کے سامنے نیل کا پھیلا پاٹ اور لہلہاتے ہوئے سبزہ زار اور گل و ثمر سے لدے ہوئے درخت تھے۔
رومیوں نے جنگی تیاری مکمل کرلی کئی ہفتہ تک رومیوں سے جھڑپیں ہوتی رہیں جن میں مسلمانوں کا جانی نقصان ہوتا رہا۔ قلت تعداد کے سبب یہ نقصان بہت ہمت شکن تھا۔ مجاہدین اسلام کے اندر ضعف اور پستی دیکھ کر حضرت عمرو نے محسوس کر لیا کہ یہی حال رہا تو مصر کے مضبوط و مستحکم قلعوں کا فتح کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مسلمانوں کو شکست اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور مصر کی مہم پر ناکامی تاریخ اسلام کا بدنما داغ بن کر رہ جائے گی چنانچہ حضرت عمرو نے دربار خلافت میں ایک خط بھیجا جس میں سفر مصر کے حالات، قلعوں کی تفصیلات اور ان پر حملہ کرنے کے لئے جلدتر کی ضرورت کا اظہار کیا ادھر فوج میں اعلان کر دیا کہ امدادی فوجیں بہت جلد پہونچنے والی ہیں جس سے اسلامی فوج کو قوت ملی اور حضرت عمرو بن عاص نے قلعہ پر یلغار کر دی اور قلعہ فتح ہو گیا دشمنوں کی بڑی تعداد ہلاک کر دی گئی۔ اکثر رومی گرفتار ہو گئے۔

فیوم

عمرو بن عاص کے لئے مدینہ سے فوجی مدد آنے سے پہلے بابلیون کی طرف بڑھنا مناسب نہ تھا اس لئے انہوں نے مصریوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے اور غذا و رسد فراہم کرنے کے لئے اسلامی فوج کو دریائے نیل کے مغربی کنارے پر مقام منف میں فروکش کیا۔ منف پر قبضہ کرنے کے لئے اسلامی فوج کو فیوم کی طرف بھیجا لیکن جب معلوم ہوا کہ رومی فیوم کی حفاظت کے لئے مسلح ہو چکے ہیں اور راستوں پر فوج متعین کر دی ہے تو عمرو بن عاص نے صحرا میں قیام کیا اور چھوٹے چھوٹے دستوں کو آس پاس کی بستیوں پر چھاپہ مارنے کے لئے روانہ کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران حنا نامی رومی سپہ سالار ایک فوج لے کر آگے بڑھا۔ حضرت عمرو نے فوج پیچھے ہٹائی اور پھر حنا کے فوجی دستہ کو گھیر کر تمام رومیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

حنا کی ہلاکت نے فیوم کے رومی سپہ سالار کو شکستہ خاطر کر دیا حضرت عمرو بن عاص کو خبر ملی کہ مدینہ سے فوجی کمک مصر پہونچ رہی ہے چنانچہ آپ صحرا کی طرف سمٹے اور فوج لے کر دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر اتر گئے تاکہ رومی اسلامی کمک کی مزاحمت نہ کریں۔

ہیلو پولیس (عین شمس) میں خیمہ زن تھی جو ۸ ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی جس کی قیادت حضرت زبیر بن عوام فرما رہے تھے اور عبادہ بن صامت، مقداد بن اسود، مسلمہ بن مخلد ہمراہ تھے۔

عین الشمس یہ شہر فرعونی دور کا مدینۃ الشمس تھا جو کسی زمانہ میں علوم و فنون کا مرکز تھا جس سے افلاطون اور دوسرے یونانی فلاسفر متعارف تھے۔ ان کی حکمت و معرفت نے یہیں آنکھ کھولی تھی اور انہوں نے اسی شہر میں فلسفہ و ہیئت کی تعلیم حاصل کی تھی یہاں ایک وسیع و عریض شہر سربلند عمارتوں، کشادہ شاہراہوں اور عظیم عبادت گاہوں پر مشتمل تھا۔ یہاں کے مذہبی افراد کے تبحر علمی کی داستان تاریخ میں نظر آتی ہے لیکن جب اہل مصر نے رومی اقتدار کے زمانے میں عیسائیت قبول کی تو علم و دانش عین الشمس سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا اور یہاں کی عبادت گاہیں ویران اور کوچہ و بازار سنسان ہو گئے جب اہل عرب یہاں پہونچے تو گردش لیل و نہار سے یہ قدیم شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا تھا۔

حضرت عمرو بن عاص نے حضرت زبیر کی قیادت میں آئی ہوئی فوج کے ساتھ عین الشمس میں پڑاؤ ڈال دیا یہ مقام دفاعی ضروریات کے لئے موزوں تھا۔ رومی سپہ سالار تھیوڈر نے افسران فوج سے مشورہ کیا تو انہوں نے رائے دی کہ اس طرح قلعوں میں بیٹھے رہنے سے مسلمان ہمیں بزدل تصور کریں گے، ہم سامان حرب اور تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں سے زیادہ ہیں اس لئے کھلے میدان میں جنگ کرنی چاہئے۔ تھیوڈر نے مشورہ قبول کر لیا اور بیس ہزار رومی فوج

بابلیون اور اطراف کے قلعوں سے نکل کر علین الشمس کی طرف بڑھی۔ حضرت عمرو بن عاص کی مانگی مراد پوری ہوئی انہوں نے فوج کا ایک دستہ جبل احمر کی گھاٹی میں اور دوسرا اُمّ دنین کے متصل دریائے نیل کے ساحل پر کمین گاہ میں چھپا دیا۔ اور باقی فوج لے کر مقابلے کے لئے نکلے وہ مقام جو اب حی عباسیہ کے نام سے مشہور ہے میدان جنگ تھا۔

دونوں لشکر میدان کارزار میں مقابل ہوئے رومیوں نے آخری دم تک لڑنے کی قسم کھائی تھی اس لئے کہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ اگر اس جنگ میں شکست ہوگئی تو پھر دولت مند زرخیز ملک مصر سے ان کی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوجائے گا۔

شدید جنگ شروع ہوئی۔ پوری فضا گرد آلود ہوگئی جنگ نقطۂ شباب پر تھی کہ خارجہ بن حذافہ اپنا دستہ لے کر جبل احمر سے رومیوں پر ٹوٹ پڑے رومی گھبرا گئے اور وہ ام دنین کی جانب پسپا ہونے لگے اسی دوران دوسرا دستہ نیل کے ساحل سے برآمد ہوا اور وہ بھی رومیوں پر ٹوٹ پڑا۔ رومیوں نے سمجھا کہ تین اسلامی لشکروں نے انہیں گھیر لیا ہے اب مقابلہ کرنا ممکن نہیں اس لئے وہ سخت پریشان ہوئے تمام فوجی نظم درہم برہم ہوگیا۔ رومیوں کا ایک گروہ قلعہ کے اندر پناہ گزیں ہوگیا دوسرا گروہ کشتی میں سوار ہو کر فرار ہوگیا اور جو لوگ میدان جنگ میں مقتول ہوئے ان کا کوئی شمار نہیں۔

قلعہ شمع کی فتح

یہ قلعہ بڑا مضبوط تھا اس کی فصیلیں ساٹھ قدم اونچی اور اٹھارہ قدم چوڑی تھیں۔ خوب صورت سربلند برجوں سے جبل مقطم اور شاداب صحرا کے نظارے اور دریائے نیل کی شفاف لہروں کا منظر تھا۔ قلعہ کے اندر کنویں اور ارد گرد کھیت محصورین کے لئے خورد و نوش کی سہولیات فراہم کر رہے تھے۔ ایک وسیع خندق نے تین جانب سے قلعہ کو گھیر رکھا تھا۔ یہ وہ ظاہری اسباب تھے جنہوں نے قلعہ کے اندر

محصور رومیوں کو یقین دلایا تھا کہ مسلمانوں کی دست بُرد سے وہ محفوظ رہیں گے۔ اور ہرقل کی مدد ان کے پاس ضرور آئے گی۔ ناچار تنگ آ کر مسلمانوں کو تو محاصرہ اُٹھانا پڑے گا یا شکست کھا کر لوٹنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ نیل میں سیلاب شروع ہو چکا تھا۔

ابن عاص نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دریا کی طغیانی قلعہ کی مضبوطی وقت چاہتی ہے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ نیل کی سطح آب دو ماہ بعد نیچے اُتر جائے گی۔

مقوقس شاہ مصر قلعہ میں تھا سپہ سالار اعیرج تھا تمام سپاہی رومی تھے۔ رومی سپاہی مسلمانوں پر منجنیقوں سے پتھر برساتے جواب میں مسلمان بھی تیروں کی بارش کرتے اسی طرح ایک ماہ کی مدت گذر گئی۔ مگر مسلمانوں کے عزم و استقلال میں فرق نہ آیا۔

صلح کی پیشکش

مقوقس شاہ مصر جو قبطی نسل کا ایک فرد تھا۔ جس کی تربیت قیصر روم نے کی تھی اور وہ کلکی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اس لئے ہرقل نے اسے مصر کا بادشاہ بنا دیا تھا مگر بعد میں در پردہ وہ یعقوبی بن کر اپنی قوم کا ہمدرد ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کے مقابلے میں وہ رومیوں کی طرح سرگرم نہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ محاصرہ طویل ہوتا جا رہا ہے اور ایک دو دن میں مسلمان قلعہ پر قابض ہو جائیں گے تو اس نے اپنے ہم قوم معتمد امراء کی مجلس طلب کی اور حالات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو کچھ دے دلا کر واپس کر دیا جائے تاکہ مصر ہمارے قبضہ میں رہے امراء نے اسی رائے سے اتفاق کر لیا رومی فوج سے چھپ چھپا کر قاصد بابلیون کے پادری کے پاس بھیجے گئے۔ اور اسی کے ذریعہ عمرو بن عاص کی خدمت میں صلح کے ایلچی بھیجے گئے۔ مقوقس نے تحریر کیا۔ (خلاصہ یہ ہے)

تم ہمارے ملک میں گھس آئے ہو۔ تمہارا قیام طویل ہو گیا ہے۔ تم مختصر

اور عظیم رومی لشکر آرہا ہے۔ دریائے نیل نے تم کو گھیر لیا ہے تم ہمارے حصار میں ہو لہٰذا تمہارے حق میں بہتر ہے کہ رومی لشکر آنے سے پہلے ہم سے صلح کرلو۔
(الفاروق عمر ص ۴۵)

مقوقس کے ایلچی دو دن بعد واپس ہوئے اور حضرت ابن عاص کا ایک خط مقوقس کے نام لائے۔ ہمارے تمہارے درمیان صرف تین صورتیں ہیں۔ اسلام قبول کرلو تم ہمارے بھائی ہوجاؤ گے یا زیر دست بن کر جزیہ ادا کرو ورنہ ہم صبر و استقلال کے ساتھ تم سے جنگ کریں گے اور اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا۔" (ایضاً)

مقوقس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں اس نے ارکان وفد سے مسلمانوں کا حال دریافت کیا تو انہوں نے بتایا۔ کہ ہم نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو موت کو زندگی پر ترجیح دیتی ہے۔ تواضع پسند غرور سے متنفر ہے۔ دنیا کی رغبت و راحت کا خیال نہیں رکھتی۔ زمین پر بیٹھ جاتی ہے۔ امیر و مامور آقا و غلام سب یکساں ہیں۔ نماز کے وقت سب وضو کرتے ہیں اور خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوجاتے ہیں۔ مقوقس دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا یہ لوگ چاہیں تو پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں ان سے کوئی نہیں لڑ سکتا مقوقس نے گفتگو کے لئے عمرو بن عاص سے مسلمانوں کا وفد طلب کیا۔ حضرت عبادہ بن صامت وفد کے سربراہ بنائے گئے اور دس مسلمانوں کا وفد مقوقس کے پاس پہونچا۔ انہیں تاکید تھی کہ تین شرطوں کے علاوہ کسی اور شرط پر صلح نہیں ہونی چاہئے۔ حضرت عبادہ نے گفتگو کا آغاز فرماتے ہوئے کہا۔

" اللہ اور اس کے رسول نے مسلمانوں کو دنیا طلبی سے روکا ہے اور ان کے دلوں میں آخرت کی رغبت اور جہاد فی سبیل اللہ کی تڑپ پیدا کی ہے"۔

مقوقس پر یہ جملے اثر انداز ہوئے مگر اس نے بادشاہت کے زعم میں اپنی نرم گرم گفتگو اس طرح کی۔ "ہماری عظیم فوج آرہی ہے جو قوت و طاقت میں

مشہور ہے تم ان کا مقابلہ نہ کر سکو گے تم یہاں کئی ماہ سے پڑے ہوئے ہو۔ تنگیٔ معاش اور دیگر ضروریات نے تم کو پریشان کر رکھا ہے ہم تمہاری قلت اور پریشانی کی وجہ سے تم پر ترس کھاتے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم صلح کر لو ہر سپاہی کو دو دو دینار سپہ سالار کو سو سو دینار اور خلیفہ کو ایک ہزار دینار پیش کئے جائیں گے رومی فوج کی ہلاکت آفرینی سے بچو اور یہاں سے چلے جاؤ۔" (الفاروق عمر ص ۲۶۴)

عبادہ کے سامنے موت کی کوئی حیثیت نہ تھی انہوں نے رومی لشکر کی قہر مانی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ مسلمان تو صبح و شام شہادت کی دعا مانگتا ہے اس لئے وہ قلت تعداد اور تنگی معاش کی کوئی پرواہ نہیں کرتا انہوں نے مزید کہا۔

"تم خوب اچھی طرح سوچ لو اور ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کر دو صرف تین شرطیں ہیں جن پر ہمارے تمہارے درمیان کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اسلام۔ جزیہ جنگ۔ مگر مقوقس نے کوئی شرط قبول نہ کی۔

عبادہ بن صامت نے مقوقس کی پیش کردہ شرط کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور وفد واپس آ گیا۔ حضرت عمرو بن عاص نے بلا تاخیر قلعہ پر شدید حملہ کا ارادہ کیا اسی دوران قیرس نے ایک ماہ کی عارضی صلح کرنی چاہی ابن عاص نے مسترد کرتے ہوئے صرف تین دن کی مہلت کا اعلان فرمایا۔ رومی لشکر جو اپنی قوت و طاقت پر حد سے زیادہ نازاں تھا۔ جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا اور ایک دن اچانک قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر پر زور حملہ کر دیا مسلمان کسی ناگہانی حملہ سے غافل نہ تھے انہوں نے رومی فوج کا دندان شکن جواب دیا شدید جنگ چھڑ گئی۔ مسلمانوں کی تیغ خارا شگاف نے رومیوں کو حواس باختہ کر دیا اور وہ میدان چھوڑ کر قلعہ کی طرف بھاگے اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے لیکن جنگ نے انہیں باور کرا دیا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ان کے اندر طاقت نہیں ایک نہ ایک دن مسلمان قلعہ ضرور فتح کر لیں گے چنانچہ انہوں نے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور جزیہ پر معاہدہ ہو گیا۔ مصر میں یہ پہلا معاہدہ تھا جو عربوں اور رومیوں کے درمیان ہوا۔

شرائط صلح یہ ہیں۔

۱۔ ہر بالغ قبطی بلا امتیاز دو دو دینار بطور جزیہ عطا کرے گا نابالغ بچے بوڑھے، عورتیں مستثنیٰ ہوں گی۔

۲۔ مسلمانوں کی جماعت جہاں چاہے گی قیام کرے گی۔

۳۔ صلح نامہ شہنشاہ ہرقل کی منظوری کے بعد نافذ ہوگا۔

قرار پایا کہ قیصر کا جواب آنے تک دونوں فوجیں اپنی اپنی جگہ رہیں گی مقوقس اسکندریہ گیا اور ساری تفصیلات ایک یادداشت کے ساتھ ہرقل کو بھیج دیں۔ جسے دیکھ کر ہرقل بہت ناراض ہوا اور اس نے مقوقس کو قسطنطنیہ طلب کیا ہرقل نے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مقوقس سے کہا۔

" اگر آپ عربوں اور ان کی بے جگریوں کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کو مغلوب کرنا غیر ممکن ہے"۔ پس ہمارے لئے صلح سے بہتر کوئی راستہ نہیں اگر انہوں نے بابلیون فتح کر لیا تو سارا ملک ان کے زیر نگیں آجائے گا۔

ہرقل مسلمانوں کی بہادری سے واقف تھا شام کے معرکوں میں اسے جو ہزیمتیں اٹھانی پڑی تھیں وہ ناسور بن گئی تھیں۔ مگر مصر جیسے ملک میں جہاں مٹھی بھر عربوں نے ایک لاکھ رومیوں کے حوصلے سرد کر دئے ہیں اور وہ جزیہ جیسی حقارت آمیز صلح کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

وہ غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ عربوں کی کامیابی میں خود اس کے ہم مذہب قدیم مصری باشندوں کا بھی ہاتھ ہے وہ رومیوں سے اپنی صدیوں پرانی عداوتوں اور حقارتوں کا انتقام لے رہے ہیں اور ان قبطیوں کا سرگروہ مقوقس ہی ہے چنانچہ اس نے مقوقس کو غداری کے الزام میں ملک سے نکال دیا اور صلح نامہ منسوخ کر دیا۔

مہلت صلح کی میعاد ختم ہو چکی تھی از سر نو جنگ کا بازار گرم ہوا۔ دونوں طرف سے تیر اندازی اور سنگ باری ہوتی کبھی کبھی رومی قلعے سے نکل کر جنگ کرتے پھر

قلعہ بند ہوجاتے نیل کا پانی اتر چکا تھا قلعہ کے گرد خندقوں میں پانی گھٹ گیا تھا رومیوں کو ہرقل کی مدد کا یقین تھا مگر دور دور تک اس کا کہیں پتہ نہیں تھا اب حالات مسلمانوں کی مساعدت کر رہے تھے رومیوں کے لئے مایوسی اور ناکامی تھی مزید براں قلعہ میں وبا پھیل گئی۔ رومیوں کو قرب وجوار میں مسلمانوں کی فتوحات کی پے در پے خبریں پہونچتی رہیں پھر انہیں ایک دن معلوم ہوا کہ ہرقل ۶۴۱ء کے نصف اول میں مرگیا یہ امور پریشانیوں کا سبب تھے مگر وہ بدستور مقابلہ کرتے رہے۔

مسلمان سات ماہ سے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے ایک دن حضرت زبیر بن العوام نے اپنے ساتھیوں سے کہا "میں اپنی جان خدا کی راہ میں قربان کرتا ہوں میری تمنّا ہے کہ اللہ میری اس قربانی کو مسلمانوں کی فتح کا سبب بنائے"۔ ایک شب تاریکی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ اپنے مخصوص دستے کے ساتھ خندق عبور کرکے قلعہ کی فصیل کے نیچے پہونچے اور فصیل پر سیڑھی لگادی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جب میں فصیل سے نعرۂ تکبیر بلند کروں تو تم بھی تکبیر کہتے ہوئے اوپر چڑھ آنا۔ چنانچہ جب وہ فصیل پر پہونچے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا تو ان کے ساتھیوں نے بھی جوابی نعرے لگائے اور یکے بعد دیگرے فصیل پر چڑھ گئے۔ تکبیر کے نعروں نے رومیوں کو بدحواس کر دیا حضرت زبیر نے قلعہ میں اتر کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اس طرح حضرت زبیر کی ہمت وجرأت سے ناقابل تسخیر قلعہ فتح ہو گیا۔

رومی قلعہ خالی کرکے چلے گئے۔ اس طرح مصر میں اسلامی فتوحات کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا قبطیوں کے ایک گروہ نے عربوں کی قوت ان کی تہذیب اوران کے دین کی صداقت سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا اور جزیہ سے مستثنیٰ ہوکر آزادی کے ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کے معاون بن گئے۔

فتوحاتِ اسکندریہ

۲۱ھ
۶۴۱-۴۲ء

شمالی افریقہ کا قدیم تہذیبی و تمدنی شہر اسکندریہ تھا جس کے شمال میں بحیرۂ روم جنوب میں بحیرہ مربوط اور مغرب میں نہر وراغون تھی محل و قوع کے لحاظ سے یہ علاقہ قدرتی مناظر سے گھرا ہوا اور انتہائی سرسبز و شاداب تھا۔ اسکندریہ کے مستحکم قلعے، عالی شان محلات پُر فضا باغات لہلہاتی ہوئی کھیتیاں جاذب قلب و نگاہ تھیں۔

زمانۂ قدیم سے یہ شہر علم و فن کا گہوارہ تہذیب و ثقافت کا مرکز اور عظیم تجارتی منڈی بنا ہوا تھا۔ قیصر روم کے مقبوضات میں قسطنطنیہ کے بعد اسکندریہ ہی سب سے اہم مرکز تھا۔ مصر پر مسلمانوں کی فتوحات کے بعد یہی شہر رومیوں کا مامن و مستقر تھا اور مشرقی مقبوضات میں امیدوں کا مرکز بھی۔

ہرقل کی موت کے بعد رومی سلطنت کی راجدھانی میں تاج و تخت کی کشمکش کا سلسلہ شروع ہوا جس نے اعیان سلطنت کو مصر و اسکندریہ سے کچھ دنوں کے لئے غافل کر دیا تاہم حالات پُرسکون ہوتے ہی نئے رومی تاجدار نے قیرس کی قیادت میں زبردست فوج اسکندریہ بھیج دی۔ کیونکہ اس کی حفاظت از حد ضروری تھی۔ قیصر جانتا تھا کہ اگر عربوں نے اسکندریہ پر قبضہ کر لیا تو تمام مشرقی مقبوضات سے ہاتھ دھونا پڑے گا چنانچہ اس نے بحری جہازوں کے ذریعہ رومی فوج اور رسازو سامان حرب روانہ کیا۔

بابلیون کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے کچھ دنوں آرام کیا اسلامی فوج کا از سر نو جائزہ لیا اور اسکندریہ کو رومیوں کے وجود سے پاک کرنے کے لئے پیش رفت شروع کر دی۔ قبطیوں نے راستہ میں مسلمانوں کا ہر ممکن تعاون کیا۔

نقیوس کی فتح

فسطاس سے ابن عاص اسکندریہ کی جانب آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ قلعہ نقیوس کے سامنے پہو نچ گئے۔ شہر اور اسلامی لشکر کے درمیان دریا حائل تھا۔ قلعہ کے حاکم نے جب اسلامی فوج کو نقیوس کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو انہیں روکنے کے لئے کشتیوں پر رومی سپاہ روانہ کئے جنہوں نے دریا پار کر کے مسلمانوں کی جانب ساحل پر اترنا شروع کر دیا حضرت ابن عاص نے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ رومیوں پر تیر برسائیں حکم پاتے ہی رومیوں پر تیر برسانا شروع ہو گیا۔ جو رومی ساحل پر آ گئے تھے وہ گھبرا کر کشتیوں میں بیٹھ گئے اور ساری کشتیاں اسکندریہ کی جانب موڑ دی گئیں حاکم قلعہ نے بھی اسکندریہ کا رُخ کیا اس طرح نقیوس کا قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

رومی مفرورین کے تعاقب میں شریک تمیی کو روانہ کیا گیا رومیوں نے مختصر دستہ دیکھ کر ان پر حملہ کر دیا شریک ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے اور مدد کے لئے عمرو بن عاص کے پاس قاصد بھیج دیا آپ نے فوراً تازہ دم دستہ شریک کی مدد کے لئے روانہ کیا اسلامی فوج کو دیکھ کر رومی بدحواس ہو گئے ایک ایک کشتی میں اتنے اتنے رومی سوار ہو گئے کہ وہ متحمل نہ ہو سکی اور دریا میں ڈوب گئی اس طرح بے شمار رومی ہلاک ہو گئے۔

عمرو بن عاص اپنی فوج لے کر جب اسکندریہ کی طرف بڑھے تو مقام سُلطیس میں رومی فوج سے ٹکر ہوئی۔ شدید جنگ کے بعد رومی پسپا ہو گئے اور انہوں نے قلعہ کریون میں پناہ لی جو اس جانب سے اسکندریہ کے قلعوں کی آخری کڑی تھی اس قلعہ میں تھیوڈر کی کمان میں رومی فوج مسلمانوں سے جنگ کے لئے تیار تھی۔

فتح کریون

رومی افواج کے سپہ سالار تھیوڈر کو اندیشہ تھا کہ اگر کریون میں ہزیمت ہوئی تو عربوں کے لئے اسکندریہ کے دروازے کھل جائیں گے اس لئے ضروری ہے کہ کریون ہی میں عربوں کا سخت مقابلہ کر کے انہیں واپس کر دیا جائے۔ کریون کا قلعہ پہلے ہی سے ناقابل تسخیر تھا گردونواح

کے رومی بھی تموذر کی فوج میں شامل ہو گئے۔

پندرہ ہزار اسلامی فوج کریون پہونچ گئی عربوں اور رومیوں نے صف آرائی کی گھمسان کا رن پڑا دونوں فوجیں شام تک لڑتی رہیں جب تاریکی چھا گئی تو فتح وشکست کے بغیر دونوں فوجیں میدان سے ہٹ گئیں۔ دوسرے دن بھی صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی اور شام میں بند ہو گئی تقریباً دس روز تک معرکہ کا یہی عنوان رہا۔ ان معرکوں میں رومیوں نے ایسی جنگی مہارت وشجاعت کا مظاہرہ کیا کہ مسلمان فتح سے مایوس ہونے لگے تاہم انہوں نے حوصلوں اور امیدوں کا دامن نہ چھوڑا اور شوقِ شہادت سے اپنے عزائم کو قوت بخشتے رہے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رومیوں پر شدید حملے کئے ان کے شوقِ شہادت کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمرو بن عاص کا غلام وردان جو اسلامی پرچم لئے ہوئے آگے آگے رہتا سپہ سالار اسلام اس کے پہلو بہ پہلو تیغ آزما رہتے ایک دن عبداللہ کو گہرے زخم آئے تو انہوں نے وردان سے کہا ذرا ٹھہر جاؤ تو میں آرام کرلوں وردان نے کہا راحت پیچھے کہاں؟ وہ تو آگے ہے۔ یہ جواب سن کر عبداللہ آگے بڑھے حضرت ابن عاص نے اپنے بیٹے عبداللہ کا حال دریافت کرایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو جان دینے کے لئے آئے ہیں ان جراحتوں کی کیا پرواہ"

امیر عساکر کو جب عبداللہ کا جواب ملا تو انہوں نے کہا" واقعی وہ میرا بیٹا ہے"

مسلمانوں نے اپنی استقامت، شجاعت اور موت سے بے خوفی کی بنا پر کریون کے قلعہ کو فتح کیا اور رومیوں کو شکست دی۔

اسکندریہ کی فتح

حضرت عمرو بن عاص نے چند دن کریون میں آرام کیا پھر اپنی فوج لے کر کسی مزاحمت کے بغیر شہر اسکندریہ کے سامنے پڑاؤ ڈال دئے۔ صحرا نشیں عربوں کے سامنے اسکندریہ کے دل فریب مناظر تھے جس طرف نگاہ اٹھتی قدرتِ الٰہی کے جلوے دل ونظر

کو اپنی جانب کھینچ لیتے۔

اسکندریہ کے مضبوط و مستحکم قلعے ان کی کنگرہ دار فصیلوں کے اندر عالی شان محلات پُرشکوہ معابد کے گنبد سر بفلک مینارے دعوت تماشہ دے رہے تھے۔

اسکندریہ کے قلعوں میں سارے مصر سے بھاگے ہوئے رومی جمع ہو گئے تھے اس وقت پچاس ہزار رومی فوج موجود تھی۔ مزید فوجی کمک کے لئے بحیرۂ روم کا راستہ صاف تھا۔ اسکندریہ میں تقریباً تین لاکھ عام شہری موجود تھے۔ اشیاء خورد و نوش، سامان حرب کی کثرت، عظیم فوج اور مستحکم قلعوں پر اعتماد کرتے ہوئے اعیان اسکندریہ کا خیال تھا کہ وہ کافی عرصہ تک مدافعانہ جنگ لڑ سکتے ہیں چنانچہ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ عمرو بن عاص کو بھی یقین تھا کہ رومی اسکندریہ کی حفاظت کے لئے جان و تن کی بازی لگا دیں گے اور مدافعت کے لئے پوری قوت صرف کر دیں گے۔ اس لئے انہوں نے اسلامی فوج کو قلعہ سے کافی فاصلے پر فروکش ہونے کا حکم دیا تاکہ رومیوں کے ناگہانی حملہ کا تدارک بآسانی کیا جا سکے۔

رومی فوج اپنی کثرت و قوت کے زعم میں قلعہ سے نکلتی اور روزانہ جنگ کا سلسلہ جاری رہتا۔ لیکن رومیوں کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اسلامی فوج کا مقابلہ کوئی آسان کام نہیں ہے اس لئے انہوں نے جنگ کا سلسلہ بند کر دیا اور خاموشی کے ساتھ اسکندریہ کی مضبوط فصیلوں پر اعتماد کرتے ہوئے محصور ہو گئے۔

ادھر حضرت عمرو بن عاص کو بھی رومیوں کی قوت و کثرت اور قلعوں کے ناقابلِ تسخیر استحکام کا یقین تھا وہ قلعہ پر دھاوا بول کر اسلامی فوج کو برباد کرنا نہیں چاہتے تھے وہ تسخیر اسکندریہ کی تدبیریں سوچ رہے تھے اس طرح چار ماہ کا عرصہ گذر گیا۔

اُدھر حضرت عمر کو اسکندریہ کی نوید فتح کا انتظار شدید سے شدید تر ہونے لگا انہوں نے حضرت عمرو بن عاص کو ایک خط لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"میں حیران ہوں تم دو سال سے لڑ رہے ہو ابھی تک پورا مصر فتح نہیں ہوا

تم میں پہلی سی لگن نہیں رہی۔ تم بھی دشمنوں کی طرح دنیا کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ لوگوں کو جنگ کی ترغیب دو کہ وہ دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔ یہ حملہ جمعہ کے دن زوال کے ساتھ کرو اور چاروں ناموران عرب کو فوج کے آگے رکھو۔"

(الفاروق عمر ص ۴۴۵)

سالار لشکر نے حضرت زبیر اور مسلمہ کو آگے رکھا۔ عبادہ بن صامت کو عَلَم دیا اور قلعہ پر شدید حملہ کر دیا۔ رومی مقاومت کی تاب نہ لا سکے۔ مجاہدین اسلام نے شہر کی فصیلوں پر حملہ کرکے اس کے دروازے کھول دیئے اور مظفر و منصور اسکندریہ میں داخل ہوئے رومیوں نے صحرا و سمندر کی راہ لی۔ باشندگانِ اسکندریہ نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔

فتح اسکندریہ کے بعد رومیوں نے مقوقس شاہ مصر کو بیچ میں ڈال کر حضرت عمرو بن عاص سے ایک معاہدہ کرایا۔

بلاذری کا قول ہے۔ تیرہ ہزار دینار کے عوض مقوقس نے ابن عاص سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ جو رومی اسکندریہ سے جانا چاہے گا وہ چلا جائے گا اور جو وہاں رہنا چاہے گا رہے گا۔ ہر بالغ قبطی دو دو دینار جزیہ ادا کرے گا۔

(الفاروق عمر ص ۵۰۳) یہ فتح ۲۱ھ میں ہوئی۔

اسکندریہ کی شاندار فتح کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے معاویہ بن خدیج کو نوید فتح سنانے کے لئے مدینہ روانہ کیا۔ معاویہ دو پہر کے وقت مدینہ پہونچے اور مسجد نبوی کے دروازے پر بیٹھ گئے حضرت عمر کے مکان سے ایک کنیز باہر نکلی اور معاویہ کا گرد آلود چہرہ دیکھ کر سمجھ گئی کہ یہ ابن عاص کا قاصد ہے فوراً حضرت عمر کو خبر کی۔ امیرالمومنین نے اندر بلایا۔ پوچھا کیا خبر لائے ہو؟ معاویہ نے کہا "مبارک ہو اللہ نے اسکندریہ فتح کرا دیا۔" حضرت عمر انہیں لے کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے اذان کا حکم دیا جب لوگ جمع ہو گئے تو معاویہ سے کہا کہ اٹھو اور فتح اسکندریہ کے حالات اپنے بھائیوں کو سناؤ۔

نماز سے فراغت کے بعد کاشانۂ خلافت میں آئے معاویہ کے سامنے روٹی اور روغن زیتون پیش کیا گیا۔ معاویہ جب کھانا کھاچکے تو حضرت عمر نے پوچھا۔ جب تم یہاں پہونچے تھے تو تم نے کیا سوچا تھا؟ جواب دیا۔ میرا خیال تھا کہ امیر المومنین قیلولہ فرمارہے ہوں گے۔ امیر المومنین نے فرمایا تم نے غلط سمجھا۔ اگر میں دن میں سوؤں تو رعیت کا نقصان اور اگر رات میں محو خواب ہو جاؤں تو میرا نقصان ہے۔ ان دونوں صورتوں میں عمر کو کیسے نیند آسکتی ہے" (الفاروق عمر ص۵۰۲)

تنیس اور دمیاط کی فتح

اسکندریہ کی فتح کے بعد پورا مصر گویا اسلامی عمل داری میں آگیا۔ جس طرف اسلامی دستے بڑھے بآسانی علاقے زیر نگیں ہوتے چلے گئے۔ خارجہ بن حذاقہ نے اکثر بلاد صعید کو فتح کر لیا۔ ڈیلٹا کے علاقے میں بھی اسلامی دستوں نے فتوحات حاصل کرلیں رومیوں کی طاقت ٹوٹ چکی تھی اب ان میں کسی محاذ پر مقابلہ کی قوت باقی نہیں رہی تھی اہل مصر نے از خود اپنے قلعوں کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دئے لیکن وہ شہر جو بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع تھے جہاں مفرور رومیوں کی خاصی تعداد موجود تھی انہوں نے حالت جنگ برقرار رکھی۔ نہ تو انہوں نے صلح کی اور نہ ہی اطاعت قبول کی۔ ان شہروں میں بلہیب، اخنا، برلس، دمیاط، تنیس قابل ذکر ہیں۔

حضرت عمرو بن عاص نے بلہیب، اخنا، برلس کو تھوڑے مقابلہ کے بعد فتح کرلیا۔ دمیاط کی فتح کے بعد مقداد آگے بڑھے وہاں مقوقس کا ماموں الهاموک حکمراں تھا جس کا ایک بیٹا مسلمانوں کے ہاتھ ہلاک ہوا تھا۔ جوش انتقام نے اسے مشتعل کر دیا تھا لوگوں کی فہمائش کے باوجود وہ قلعہ بند ہو کر مقاومت کے لئے آمادہ رہا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا الهاموک کا ایک بیٹا شطا تھا جس کے دل میں اسلام کی صداقت جاگزیں ہوگئی تھی۔ وہ

قلعہ سے نکل کر اسلامی فوج میں آ گیا اور مقداد کو قلعہ کے اندر داخل ہونے کا راستہ بتا دیا مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے اس طرح دمیاط فتح ہو گیا۔ شطا نے اپنے باپ اور اہل قلعہ کے لئے امان طلب کی مقداد نے اسے قلعہ کا حاکم بنا دیا اس نے برلس دلیرہ، اشموم اور اطناح کے ہزاروں قبطیوں کو مسلمان بنایا اور ان کی ایک فوج مرتب کر کے اسلامی لشکر میں شریک ہو گیا۔ معرکہ تنیس میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوا۔

تنیس اس دور کا ایک وسیع خوشحال اور تجارتی وصنعتی شہر تھا مذہبی لحاظ سے بھی اسے خاص مقام حاصل تھا اس کی فصیلیں مضبوط تھیں جن میں انیس[19] فولادی دروازے تھے۔ اہل تنیس مقابلہ پر آئے بڑی شدید جنگ ہوئی۔ بالآخر قلعہ فتح ہو گیا بحیرۂ روم کے ساحل سے بلادِ نوبہ تک سارا علاقہ زیر نگیں آ گیا۔

برقہ اور طرابلس کی فتح

تنیس کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے مغربی مصر کے ان علاقوں کی طرف فوج کشی کی جن کے مستحکم قلعوں میں اب تک کثیر رومی افواج موجود تھی اور اب اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ رومی سپاہ ہرقل کے ایما و اشارے پر کہیں مصری اقتدار کی بازیافت کے لئے مسلمانوں پر حملہ نہ کر دے اس لئے ضروری تھا کہ ان علاقوں میں موجود رومی سپاہ کی قوت توڑ دی جائے تاکہ امن وسکون کے سائے میں دین حق کو فروغ حاصل ہو۔

جب اسلامی لشکر برقہ پہونچا تو وہاں کے لوگوں نے تیرہ ہزار سالانہ دینار جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ برقہ طرابلس کا ایک شہر تھا اور یہ اس مقام پر آباد تھا جہاں آجکل بنی غازی ہے۔ برقہ ایک زرخیز علاقہ تھا اور وہاں بارونق بازار تھے جہاں مشرق ومغرب کے تاجر آیا جایا کرتے تھے۔

برقہ سے عمرو بن عاص طرابلس پہونچے یہ ایک مسلح بندرگاہ تھی جسکی حفاظت رومیوں کا ایک لشکر کر رہا تھا۔ طرابلس کے ارد گرد وسیع کشت زار تھے جن کی

ہیداوار قلعہ میں محفوظ رہتی تھی۔ جب اسلامی لشکر طرابلس پہونچا تو اہل شہر نے قلعہ کے دروازے بند کر لیئے اور ہرقل کی بحری مدد کا انتظار کرنے لگے۔ تین ماہ کی مدت گذر گئی مگر کوئی مدد نہ آئی اور مسلمانوں کے لئے فتح کی کوئی سبیل بھی پیدا نہ ہو سکی۔

حضرت عمرو بن عاص کو معلوم ہوا کہ سمندر کی جانب فصیل نہیں ہے اور اس طرف ایک راستہ بھی ہے چنانچہ سرفروش مجاہدین اسلام کی ایک جماعت اسی راستے سے شہر میں داخل ہو گئی جسے دیکھ کر رومی گھبرا گئے اور شہر چھوڑ کر کشتیوں کے ذریعہ بھاگنے لگے۔

تسخیر طرابلس کے بعد اسلامی دستے اِدھر اُدھر روانہ کر دئے گئے جنہوں نے تمام صوبوں پر رُعب قائم کر دیا اور لوگوں کو تسلیم وطاعت کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نظر نہ آیا۔

فتح طرابلس کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے حضرت عمرؓ کے پاس لکھا کہ "تیونس یہاں سے صرف دو منزل ہے اگر حکم ہو تو ہم اس کی طرف بڑھیں لیکن حضرت عمر نے آگے بڑھنے سے روک دیا اور ابن عاص نے عقبہ بن نافع فہری کو طرابلس میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود برقہ آ گئے جہاں بڑے بڑے مصری قبائل نے اطاعت قبول کر لی۔ جب ابن عاص نے پورا مصر بزور شمشیر فتح کر لیا تو فسطاط آ کر نظم ونسق حکومت کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے۔

فسطاط ۲۱ھ

رومی عہد میں اسکندریہ مصر کا پایۂ تخت تھا جہاں مصری حکمراں اور رومی افواج کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ مسلمانوں نے جب بابلیون کی تسخیر کے لئے اس کے قریب خیمہ نصب کیا اور اس علاقہ کی فتح کے بعد وہ اسکندریہ کی جانب روانہ ہوئے تو حضرت عمرو بن عاص نے اپنا خیمہ نہ اکھاڑا اس لئے کہ اس میں کبوتروں نے انڈے بچے دے رکھے تھے۔

اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط پہونچے تو انہیں خیموں کے قریب پڑاؤ

ڈالنے اور مکانات تعمیر کرنے کا حکم دیا اس طرح قدیم شہر بابلیون کے قریب ایک نئے شہر کی بنیاد پڑی جس کی تعمیر قبطیوں نے کی۔ ابن عاص نے ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جس کے گرد انگور کے باغات لگائے اسلامی عہد میں بھی شہر مرکز حکومت قرار پایا اور رفتہ رفتہ اس شہر نے اتنی ترقی کی کہ بابلیون، اسکندریہ اور دوسرے شہروں سے آگے بڑھ گیا آج بھی قاہرہ کے نام سے مشہور ہے۔

ملک مصر کی تسخیر کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے ملکی نظم و نسق اسلامی اصول کے مطابق درست کئے جو لوگ مشرف باسلام ہوئے وہ مسلمانوں کے بھائی بن گئے اور ان سے ہر سطح پر مساویانہ برتاؤ کیا گیا جو مصری باشندے اپنے قدیم مذاہب پر قائم تھے اور جزیہ کی شرط پر صلح کر لی تھی ان کی ہر ممکن دلجوئی کا سامان کیا۔ مذہبی امور میں آزادی بخشی گئی جان و مال، املاک وجائداد، آل و اولاد، عزت و حرمت، ثروت و تجارت ہر چیز کی حفاظت کا ان کو پورا یقین دلایا۔ اور تمام قدیم ظالمانہ قوانین منسوخ کرکے عدل و انصاف کا اسلامی قانون نافذ کیا۔ اس طرز حکمرانی کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے رومی مسلمان ہو گئے۔

انتظامی امور کے لئے لائق افراد کا تعین کیا۔ فیصلہ و مقدمات کے لئے جابجا قاضی مقرر کر دئے۔ تحصیل خراج قبطیوں کے ذمہ کیا اور دفتری نوشت و خواند کی زبان مصری ہی رکھی گئی۔

فتوحات فاروقی

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق اکبر کے زمانۂ خلافت میں روز اول ہی سے جزیرہ نمائے عرب میں متعدد شورشیں اور بغاوتیں بڑی شدت کے ساتھ ابھریں جن کے انسداد کے لئے عسکری قوت کا استعمال ناگزیر تھا۔ چنانچہ عہد صدیقی میں اسلام کی فوجی قوت عرب میں فتنوں کے انسداد اور قیام امن کے لئے استعمال ہوئی تاہم عرب کی سرحدوں پر قیصر و کسریٰ کی دو عظیم سلطنتوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہنے کے لئے اسلامی فوجیں حدود عرب سے باہر نکلیں اور مختصر سی مدت میں عراق عرب اور شام

کے بعض سرحدی علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا لیکن اسلامی فتوحات کا زرّیں عہد حضرت عمر فاروق کے دورِ خلافت سے شروع ہوا۔ آپ نے سیاسی تدبّر، عسکری بصیرت کی روشنی میں مذکورہ محاذوں پر فتوحات کا سلسلہ تیز تر کر دیا۔

دس برس چھ ماہ چار دن کے عرصہ میں مسلمانوں کو حیرت انگیز فتوحات حاصل ہوئیں۔ عرب کے صحراء نشینوں نے ریگزارِ عرب سے اٹھ کر روم و ایران کی جبر و تیّ فرماں روائیوں کے تختے الٹ کر رکھ دئیے آپ کی فتوحات میں جو آب و رنگ نظر آتا ہے وہ اپنی نوعیت میں لاثانی ہے ہر فاتح کی زندگی میں قساوت و بربریت کی خوفناک مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ سکندرِ اعظم مشہور فاتح ہے اس کی فوجوں نے جب شہر صدر کو فتح کیا تو اس نے ایک ہزار جاں بازوں کے سر قلم کرا کے حصار شہر پر آویزاں کر دئیے پھر بھی اس کی آتش غضب فرو نہیں ہوئی بلکہ تیس ہزار عام شہریوں کو گرفتار کرا کے لونڈی، غلام بنا کر فروخت کر ڈالا ایران کے شہر اصطخر کو فتح کرنے کے بعد سکندر نے سرزمین ایران پر رعب و ہیبت طاری کرنے کے لئے یہاں کے تمام مردوں کو تہِ تیغ کر ڈالا۔

نوشیرواں جس کے نام کے ساتھ عادل لکھا جاتا ہے اس نام نہاد عادل حکمراں نے ایک لاکھ مزدکیوں کے خون سے اپنے شجرِ اقتدار کی آبیاری کی اور ان کے بے گور و کفن ڈھانچوں پر اپنے رعب و ہیبت کا قصر تعمیر کیا۔

دوسرے فاتحین کی تاریخیں قتل و غارت گری کے المناک سیاہ کارناموں سے بھری پڑی ہیں۔

لیکن فتوحات فاروقی کے دفتر کے دفتر کھنگھال ڈالئے آپ کی ایرانی، شامی، مصری فتوحات کی طویل داستانوں کا ایک ایک حرف پڑھ لیجئے۔ لیکن ظلم و ستم، جبر و استبداد اور بے گناہوں کے قتل کا کوئی ایک واقعہ بھی نہ مل سکے گا۔ لشکر کشی کے وقت آپ کا شعار تھا کہ فوجی افسروں کو ہدایت کر دیتے

کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مذہبی رہنماؤں اور غیر حربی پُرامن باشندوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ شہروں کو ویران کرنا، آبادیوں کو نذرِ آتش کرنا، انسانی سروں کے مینار بنانا تو درکنار اس بات کی سخت ہدایت تھی کہ لہلہاتے ہوئے کھیتوں سرسبز باغوں اور شاداب چراگاہوں کو بھی پامال و ویران نہ کیا جائے اور نہ آگ لگائی جائے۔ فرشتہ خصلت فوجیوں کا یہ قافلہ رحمت جدھر سے گزرتا قدیم بربریت اور سفاکی کا خاتمہ کرتا جاتا۔ شہروں قصبوں اور تمام دیہاتوں کے باشندے جو صدیوں سے اپنے حکمرانوں کے شکنجۂ استبداد میں جکڑے ہوئے تھے۔ اسلامی فتوحات کے بعد انہوں نے کھلی ہوئی فضا میں امن و سکون کا سانس لیا۔ اس طرح وہ نئے فاتحین کے حسنِ اخلاق، عدل و انصاف، صدق و دیانت کے گرویدہ ہوگئے۔

فاروقِ اعظم نے دوسرے فاتحین کی طرح مفتوحہ علاقوں کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے فتح نہیں کیا بلکہ مفتوحہ علاقوں میں اسلام کا نظام رحمت نافذ کرنے، خلق خدا کو انسانی حق دلانے اور امن و خوش حالی کے قیام کے لئے عسکری اقدام کئے۔

۳۰/۱۵/۲۲/ مربع میل وسیع خطۂ ارض پر اسلامی فتوحات کا پرچم جس شان و شوکت کے ساتھ لہرانے لگا اس کی مثال دنیا کی تاریخ حرب و جنگ میں کہیں نہیں ملتی۔ کہا جاتا ہے کہ روم و ایران کی عظیم سلطنتیں اس دور میں خانہ جنگی اور اندرونی انتشار کی وجہ سے غیر مستحکم ہوچکی تھی اس لئے مسلمانوں نے بآسانی ان علاقوں میں اپنی فتح و ظفر کے جھنڈے گاڑ دئے۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتوں میں افتراق و اختلاف ضرور تھے لیکن ان معمولی اور جزوی اختلافات نے ہزاروں سال پرانی حکومتوں کو اس قدر غیر مستحکم نہیں کر دیا تھا کہ وہ عرب کے بے سروسامان بادیہ نشینوں کا مقابلہ نہ کرسکیں بلکہ دیکھا یہ گیا کہ اسلامی پیش رفت کے زمانہ میں ایران اور شام کے لوگوں نے اپنے ہر نوع کے اختلافات ختم کرکے قومی و ملی جذبات

کے رشتہ میں منسلک ہو کر ہر محاذ پر مسلمانوں سے کئی کئی گنا فوجی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کیا۔

قادسیہ، جلولہ، نہاوند، یرموک کے تاریخی معرکوں میں تو ایرانیوں اور رومیوں نے اپنی اجتماعی قوت کے ساتھ سدِ سکندری بن کر اسلامی سیلاب کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ اسلام کی روحانی قوت کے مقابلہ میں ہر جگہ ناکام رہے۔

سر ولیم میور فتوحات فاروقی کے بارے میں رقم طراز ہے۔

" رسول اللہ کے بعد عمر عظیم الشان تھے۔ ان کی ثابت قدمی اور ذہانت کا یہ ثمرہ تھا کہ ان دس برسوں میں انہوں نے شام، مصر اور فارس کو اسلامی طاقت کے آگے سرنگوں کر دیا تھا اور اس وقت سے آج تک یہ ممالک اسلام کے تابع ہیں"۔

عہدِ فاروقی میں اسلامی سلطنت کی بساط مشرق میں حدودِ چین سے لے کر مغرب میں برقہ سے آگے تک اور شمال میں بحر قزوین سے لے کر جنوب میں بلاد نوبہ تک وسیع ہو گئی تھی۔ ایران، شام، عراق، مصر کو اس سلطنت نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ان فتوحات کے ہمہ جہتی اثرات عالمی تہذیب و ثقافت پر پڑے۔

مجاہدین اسلام کی کشور کشائیوں نے محض توسیع سلطنت ہی نہ کی بلکہ غیر عرب اقوام نے اسلام کے نظام رحمت سے متأثر ہو کر اسلام کو اپنے سینوں سے لگایا اس طرح عالمی سطح پر ایک ایسی اسلامی قوت وجود میں آئی جو لسانی، جغرافیائی نسلی اور سماجی اختلافات رکھنے والوں پر مشتمل تھی اور کثرت میں وحدت کا جلوہ رکھتی تھی۔

حضرت عمر کی شہادت

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ

۲۳ھ کے حج میں حضرت عمر تشریف لے گئے۔ یہ ان کی زندگی کا آخری حج تھا۔ امہات المومنین بھی ہمراہ تھیں۔ جب ارکان حج سے فارغ ہو کر منیٰ کی طرف پلٹے تو ابطح میں اپنا اونٹ بٹھایا۔ سنگ ریزے جمع کئے چبوترہ سا بنا کر چادر بچھائی اور لیٹ گئے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے بارگاہ الٰہی میں دعا کرنے لگے۔

الٰہی میری عمر زیادہ ہو گئی ہے ہڈیاں نرم پڑ گئیں۔ قوتیں جواب دے رہی ہیں اور رعایا پھیل گئی ہے اب مجھے اپنے پاس بلا لے اس حال میں کہ میرا دامن عجز و ملامت سے پاک ہو۔" (الفاروق عمر ص ۶۸۳)

جب مدینہ تشریف لائے تو لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا جس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں!

" لوگو! تم پر احکام فرض کر دئے گئے، تمہارے لئے قانون حیات مرتب کر دیا گیا اور تمہیں ایک کھلے راستے پر ڈال دیا گیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ تم لوگوں کو اِدھر اُدھر بھٹکا دو۔"

"یا اللہ میں تمام شہروں کے حکام پر تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں صرف اس لئے بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو دین اور سنّت رسول کی تعلیم دیں ان سے عدل و انصاف کے ساتھ پیش آئیں ان میں غنیمت تقسیم کریں، ان کے معاملے میں اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو میرے پاس پیش کریں۔"

(ابن سعد بحوالہ الفاروق عمر ص ۶۸۴)

یہ اقتباسات ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت عمر موت کو بہت قریب محسوس

کر رہے تھے جب کہ وہ بیمار بھی نہ تھے اور ضعف و نقاہت کا ایسا حملہ بھی نہ تھا جو انہیں زندگی سے مایوس کر دے۔

۲۶ر ذی الحجہ ۲۳ھ کی صبح صادق طلوع ہو چکی ہے۔ نمازیوں کی صفیں درست کی جا رہی تھیں حضرت عمر کا شانۂ خلافت سے باہر آئے دیکھا کہ اگلی صف کچھ آگے پیچھے ہے اسے درست کیا۔ امامت کے لئے آگے بڑھے۔ ابھی آپ نے تکبیر تحریمہ کہی ہی تھی کہ ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے اچانک دو دھاری خنجر لے کر آپ پر چھ وار کئے جن میں سے ایک زیر ناف لگا۔ آپ زمین پر گر پڑے صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ قاتل حضرت مغیرہ بن شعبہ کا ایرانی غلام ابولؤلؤ فیروز تھا جو جنگ نہاوند میں گرفتار کیا گیا تھا اور حضرت مغیرہ کی غلامی میں آ گیا تھا بہت سے لوگ اسے پکڑنے کے لئے دوڑے مگر اس نے اپنے خنجر سے ۱۲ر آدمیوں کو زخمی کیا اتنے میں ایک شخص نے اس پر اپنی چادر ڈال کر زمین پر گرا دیا اور وہ گرفتار کر لیا گیا لیکن اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس لئے اس نے اپنے ہی خنجر سے اپنا کام تمام کر لیا۔

حضرت عمر کا شانۂ خلافت میں لائے گئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگ منتشر ہو گئے اور اس المناک حادثہ سے اُن کی آنکھیں اشک بار تھیں اور یہ خبر بجلی کی طرح پورے مدینہ میں پھیل گئی۔

آفتاب بلند ہوا تو دریافت کیا مجھے مجروح کرنے والا کون ہے؟ بتایا گیا حملہ آور ابولؤلؤ فیروز تھا جس نے بعد میں خودکشی کر لی۔ حضرت عمر نے فرمایا" اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرا قاتل کسی ایسے شخص کو نہیں بنایا جو اس کے حضور اپنے کئے ہوئے ایک سجدے کو میرے لئے حجت بناتا"

ایک طبیب آیا — آپ کو نبیذ پلائی تو وہ ناف کے نیچے والے زخم سے نکل گئی۔ پھر کسی طبیب نے دودھ پلایا جو جوں کا توں زخم سے باہر آ گیا۔ آنتیں کٹ چکی تھیں زندگی کی امید باقی نہ تھی لوگوں پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ رہا تھا۔

ابو لؤلؤ نے یہ ناپاک جسارت کیوں کی ؟ــــ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر حج سے واپسی کے بعد ایک دن بازار میں گشت لگا رہے تھے ابولولو ملا اس نے اپنے آقا حضرت مغیرہ بن شعبہ کی شکایت کی اور کہا وہ مجھ سے روزانہ دو درہم محصول لیتے ہیں جو زیادہ ہے۔ آپ نے دریافت کیا تمہارا پیشہ کیا ہے ؟ بتایا نجاری، نقاشی، آہنگری۔ حضرت عمر نے کہا تمہاری حرفتوں کو دیکھتے ہوئے محصول زیادہ نہیں ہے ــــ اثنائے گفتگو حضرت عمر نے کہا میں نے سنا ہے کہ تم ہوا سے چلنے والی چکی بنا سکتے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا پھر تم میرے لئے ایک چکی بنا دو۔ ابو لؤلؤ نے کہا اگر میں زندہ رہا تو آپ کے لئے ایسی چکی بناؤں گا جس کا چرچا مشرق سے مغرب تک ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ آپ نے فرمایا اس غلام نے مجھے دھمکی دی ہے۔

کیا واقعی یہی سبب تھا جس نے ابولولو کو امیر المؤمنین کے قتل پر ابھارا تھا اگر محصول اس کے لئے ناقابل برداشت تھا جسے حضرت عمر نے مناسب خیال کیا تھا تو پھر اس نے ایسا جرم کیوں کیا؟ جس کے نتیجے میں اُسے خود اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے اگر واقعتاً امیر المؤمنین پر قاتلانہ حملہ کی جسارت کا محرک مذکورہ بالا واقعہ ہی ہے تو بڑی حیرت کی بات ہے۔ واقعی اس پر محصول کا بوجھ ناانصافی پر مبنی تھا تو وہ دوبارہ بارگاہ عمر میں اپنی فریاد پیش کر کے معقول دلائل سے اپنے بوجھ کو ہلکا کرا سکتا تھا۔ حضرت عمر کا عدل اور کمزوروں کے ساتھ ان کی مروت ایسی ڈھکی چھپی چیز نہ تھی جس سے ابو لولو بے خبر تھا۔

عراق و ایران اور شام و مصر میں قیصر و کسریٰ کی بادشاہتوں کے انحطاط اور مسلمانوں کی عدیم النظیر فتوحات کے پیش نظر میں اگر حضرت عمر کی شہادت کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ امیر المؤمنین عمر کی شہادت ایک گہری سازش کا نتیجہ تھی اور ابولولو اسی سازش کا آلۂ کار بن گیا۔

جب سے مسلمان ایرانیوں اور رومیوں پر غالب آئے تھے اور ان کے

صدیوں پرانے اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا یزدگرد کو ترکوں کی پناہ لینی پڑی تھی۔ اور قیصر روم ہمیشہ کے لئے شام و مصر سے بے دخل ہوا تھا۔ ایرانی یہودی اور نصرانی اپنے دلوں میں عربوں کے خلاف عموماً اور حضرت عمر کے خلاف خصوصاً کینہ و بغض کے جذبات چھپائے بیٹھے تھے۔ انہیں قوم پرست ایرانیوں اور عیسائیوں کی ایک جماعت مدینہ منورہ میں بھی موجود تھی جس کے دل غضب و انتقام سے لبریز اور جس کے سینے کینہ و بغض کی آگ سے دہک رہے تھے یہ حادثہ انہیں کی سازشوں کا شاخسانہ تھا۔ چنانچہ واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔

ہرمزان ایران کے ان اہم سپہ سالاروں میں تھا جس نے مسلمانوں کے ساتھ ایران کے متعدد معرکوں میں خوں ریز جنگیں کی تھیں اور شکستیں کھائی تھیں اور حیلہ وفن سے اپنے آپ کو بچاتا رہا اور عہد شکنیاں کرتا رہا جو اس کی قوم پرستی اور بے ضمیری کی روشن دلیل ہیں۔ آخری بار حضرت سعد بن وقاص نے اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا تو اس نے دربار خلافت میں جا کر اپنے طبعی مکر سے جان کی امان حاصل کر لی۔

ہرمزان نے ایران کے چپہ چپہ کو مسلمانوں کے وجود سے خالی کرانے کے لئے اپنی عسکری قوت کا استعمال میدانِ جنگ میں کیا تھا۔ مگر اسے ہر بار سخت ہزیمت اُٹھانی پڑی تھی۔

جفینہ نجران کا ایک نصرانی تھا حضرت سعد بن ابی وقاص کا دودھ شریک بھائی تھا۔ اس رشتہ کی وجہ سے حضرت سعد اسے مدینہ لائے تھے جہاں وہ لوگوں کو پڑھایا لکھایا کرتا تھا۔ حضرت عمر نے نجران کے نصرانیوں کو شام و عراق میں آباد کر دیا تھا۔ پھر مسلمانوں نے شام و مصر کے محاذوں پر رومیوں کو شکست فاش دی تھی۔ ہرقل چونکہ نصرانی تھا اس لئے جفینہ کو نجران سے اپنی قوم کی جلا وطنی اور شام و مصر سے اپنی ہم مذہب حکومت کے خاتمہ کا ضرور دکھ رہا ہوگا۔ اس طرح وہ حضرت عمر سے بھی عداوت رکھتا ہوگا۔

فیروزا ابو لؤلؤ ایک قوم پرست ایرانی سپاہی تھا جو نہاوند کے تاریخی معرکہ میں گرفتار کر کے لایا گیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کی غلامی میں آیا۔ اس کے اندر ایرانی عصبیت کا جوش درجہ کمال پر تھا عین ممکن ہے کہ ہرمزان اور جفینہ نے اس کے جنون سے فائدہ اٹھا کر ارادۂ قتل کو مستحکم کر دیا ہو اگر ابو لولو مسلمانوں کے قابو میں آنے کے فورًا بعد خودکشی نہ کر لیتا تو یقینًا اس گہری سازش کا راز فاش ہو جاتا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ابو لولو نے اپنی اذیت ناک موت کے خوف سے خودکشی نہ کی ہو بلکہ اس خوف سے کہ اس کی زندگی اس کے سینے میں چھپی ہوئی گہری سازش کا راز نہ کھول دے اور اس طرح مدینہ میں اسلام دشمن مجوسی، نصرانی مشترکہ خفیہ سازش کے سرگرم کارکن بے نقاب نہ ہو جائیں۔

اگر حضرت عبید اللہ بن عمر جوش انتقام میں ہرمزان اور جفینہ کو قتل نہ کرتے اور انہیں حراست میں لے کر تفتیش کی جاتی تو بھی قوی امکان تھا کہ مدینہ کے اندر مجوسی، نصرانی قوم پرستوں کی ناپاک سرگرمیوں کا پتہ چل جاتا ــــ اور اس طرح ان سازشوں کے تار و پود بکھیر دئیے جاتے۔

مگر ابو لؤلؤ، ہرمزان، جفینہ موت کے گھاٹ اتر کر سازش کے سب راز اپنے سینوں میں لے کر دنیا سے چلے گئے۔

ابو لولو کی خودکشی کے باوجود حضرت عمر کے صاحبزادوں کو حقیقتِ حال دریافت کرنے کی بے چینی تھی۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے جب ابو لولو کی چھری دیکھی تو فرمایا میں نے کل یہ چھری ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھی تھی میں نے ان سے پوچھا تم اس چھری سے کیا کرو گے؟ بولے گوشت کاٹیں گے کیوں کہ ہم گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے فرمایا میں نے (حادثہ سے قبل) رات میں ابو لولو۔ ہرمزان اور جفینہ کو سرگوشی کرتے دیکھا تھا جب میں ان کے پاس پہونچا تو وہ بھاگے اور ایک خنجر ان کے پاس سے گرا جس کی دو دھاریں تھیں اور دستہ درمیان میں تھا۔ جب خنجر دیکھا گیا تو بعینہٖ عبدالرحمٰن بن

ابی بکر کے بیان کے مطابق تھا۔

جب عبیداللہ بن عمر نے دونوں بزرگوں کی بات سنی تو اپنے جوش انتقام کو ضبط نہ کر سکے اور ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مدینہ کے تمام پردیسی اس سازش میں شریک ہیں انہوں نے تلوار سنبھالی اور ہرمزان اور جفینہ کا کام تمام کر دیا اور وہ مدینہ میں موجود تمام غلاموں کو قتل کرنا چاہتے تھے اب اکابر صحابہ کو ان کے عاجلانہ عمل اور ارادے کا علم ہوا تو انہیں قابو میں کر کے حراست میں لے لیا تاکہ امن و قانون کی فضا درہم برہم نہ ہونے پائے۔

مسئلہ خلافت

کاری زخم دیکھ کر طبیبوں نے مایوسی کا اظہار کر دیا تھا سب کو یقین تھا کہ عظیم اسلامی سلطنت کے قائد گھڑی دو گھڑی یا زیادہ سے زیادہ دو تین روز کے مہمان ہیں سب کو چھوڑ کر اپنے پروردگار کی رحمتوں سے ملنے والے ہیں ایسے نازک وقت میں اساطین ملت اور رؤسائے عرب کو انتخاب خلیفہ کی فکر ستا رہی تھی آئندہ کون امیر المؤمنین ہوگا۔ یہ بڑا اہم اور پیچیدہ مسئلہ تھا خود امیر المؤمنین عمر جو زندگی کے آخری مرحلے میں داخل ہو گئے اسلامی سلطنت کے مستقبل پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہے تھے شاید وہ زخمی ہونے سے قبل بھی اس مسئلہ پر اکثر و بیشتر غور کر چکے تھے لیکن وہ کسی آخری فیصلے پر نہ پہونچ سکے ان کے لئے دو ہی راستے تھے یا تو وہ کسی معتمد باشعور مخلص اور بہادر شخص کو خلیفہ نامزد کر کے ابو بکر صدیق کی سنّت پر عمل پیرا ہوں یا پھر وہ مسئلہ خلافت مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ غور و تامل کے باوجود ان کی نگاہ انتخاب کسی پر جم نہ سکی چنانچہ سعد بن زید نے آپ سے کہا اگر آپ مسلمانوں کے کسی فرد کے متعلق اشارہ فرما دیں تو لوگ آپ کی نامزدگی کو قبول کر لیں گے جواب میں فرمایا اگر سالم مولی ابی حذیفہ یا ابو عبیدہ بن الجراح ہوتے تو ان میں سے کسی کو خلیفہ بنا دیتا تاہم وہ اس مسئلہ کو ادھڑ میں چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے موقع

کی نزاکت کو محسوس کر کے خلافت کو چھ افراد حضرت عثمان بن عفان حضرت علی بن ابی طالب حضرت زبیر بن العوام حضرت طلحہ بن عبید اللہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت سعد ابی وقاص کی مشاورت پر منحصر کر دیا اور فرمایا۔ میں نے ان لوگوں سے زیادہ کسی کو خلافت کا حقدار نہیں پایا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ ان سے خوش رہتے تھے ان میں سے جسے میرے بعد خلیفہ بنایا جائے وہی میرے بعد خلیفہ ہوگا۔

حضرت عمر چاہتے تھے کہ انتقال سے پہلے مجلس شوریٰ کسی کو خلیفہ منتخب کرلے تاکہ وہ اپنی جان اسلام اور سلطنت کے انجام کی طرف سے مطمئن ہو کر جان آفریں کے سپرد کر دیں۔

حضرت عمر نے ارکان شوریٰ کے سامنے آئندہ بننے والے امیر المؤمنین کے لئے یہ وصیت فرمائی۔

> وہ اللہ سے ڈرتا رہے مہاجرین اولین کے حقوق کی حفاظت کرے اور ان کا احترام ملحوظ رکھے مفتوحہ ممالک میں رہنے بسنے والوں سے اچھا سلوک کرے کہ انہوں نے اسلام کی مدد کی ہے دشمنوں پر غالب آئے ہیں اور مال جمع کیا ہے صرف وہی کچھ ان لوگوں سے لیا جائے جو ان کی ضرورت سے زائد ہو اور خوشی سے دے دیں انصار کا خاص خیال رکھے کہ انہوں نے بے گھروں کو گھر دئے اور ایمان کی حفاظت کی ان کا احسان مانا جائے اور ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کی جائے عربوں سے خوش سلوکی کے ساتھ پیش آئے کہ یہی لوگ اصل عرب اور مادۂ اسلام ہیں ان کے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے محتاجوں میں تقسیم کر دے ذمیوں کے حقوق کا ہر طرح پاس کرے کہ وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں ہیں ان سے جو وعدہ کیا گیا ہے اسے پورا کرے ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے اور ان کے دشمن سے جنگ کرے۔ (الفاروق عمر ص ۲۹۵ طبری ج ۳ ص ۲۶۵)

ادائیگی قرض

مسئلہ خلافت معتمد ارکان شوریٰ کے حوالہ کرنے کے بعد حضرت عمر اپنی ذات کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں ۸۶ ہزار درہم قرض کی فکر ہوئی جو انہوں نے بیت المال سے لے کر حاجت مند مسلمانوں پر خرچ کئے تھے۔ چنانچہ اپنے بیٹے عبداللہ کو بلایا اور کہا میری متروکہ جائیداد فروخت کردو اگر اس کی قیمت سے قرض ادا ہوجائے تو بہتر ورنہ بنوعدی سے درخواست کرنا اگر وہ بھی ادا نہ کرسکیں تو کل قریش سے۔ لیکن قریش کے علاوہ کسی کو تکلیف نہ دینا۔

آپ کا مکان حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے ہاتھ فروخت کرکے قرض کی رقم بیت المال میں جمع کردی گئی۔

حضرت عمر دنیا کے حساب سے فارغ ہوچکے تھے اب انہیں آخرت کی فکر تھی ان کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ حجرۂ عائشہ میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے رفیق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کئے جائیں۔ اپنی اس خواہش کا اظہار کرکے حضرت عائشہ صدیقہ سے اجازت لے چکے تھے مگر جب وقت موعود قریب آیا تو حضرت عبداللہ سے کہا میری موت کے بعد ایک بار پھر اجازت طلب کرلینا۔ اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ اصرار مت کرنا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے اقتدار کی وجہ سے انہوں نے اجازت دے دی ہو۔

حضرت عمر کو بعد وفات بھی ام المؤمنین نے اپنے حجرہ میں دفن کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

رحلت

حضرت عمر نے اپنے عزیز و اقارب کو درج ذیل باتوں کی تاکید فرمائی۔

"مجھے مشک سے غسل نہ دیا جائے۔ میرا کفن اوسط درجہ کا ہو۔ میری تعریف میں وہ باتیں نہ کہی جائیں جو مجھ میں نہیں۔ میرا جنازہ تیز تیز قدموں سے لے کر جانا۔

جب وصال کا وقت قریب آگیا تو سر زمین پہ رکھ دیا اور روح ملاء اعلیٰ کی جانب پرواز کرگئی۔ سارا مدینہ غم و کرب میں ڈوب گیا۔ ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔

آج رسول عربی کا ایک رفیقِ دینِ حق کا محافظ، اسلامی سلطنت کا عظیم قائد ان کے درمیان سے اٹھ گیا۔

تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ مسجد نبوی میں لایا گیا جہاں حضرت صہیب رومی نے نماز جنازہ پڑھائی پھر جنازہ حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں لایا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن عوام قبر میں اترے اور جنازہ قبر میں اتارا۔ حضرت ابوبکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس طرح دفن کئے گئے تھے کہ آپ کا سرِشانہ رسالت کے متوازی تھا۔ حضرت عمر کا سرِشانۂ ابوبکر صدیق کے متوازی رکھا گیا۔

حکومت

حضرت عمر دس سال چند مہینے اسلامی سلطنت کے قائد رہے۔ ان کی پوری زندگی اللہ اور اس کے دین کے لئے وقف تھی۔ ان کا دل ان کی عقل اور ان کے اعضاء و جوارح اس بارِ عظیم کو اٹھانے میں شب و روز مصروف رہتے تھے جو ان کے شانوں پر رکھے گئے تھے۔ وہ فوج کے سپہ سالار اعظم بھی تھے تو دوسری جانب فقیہ اعظم اور مجتہد اکبر بھی تھے جن کی رائے سند سمجھی جاتی تھی اور جن کا اجتہاد تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہ ایک پاک دامن اور انصاف پسند قاضی تھے جو مقدمات کے فیصلے کرتے اور طاقت وروں سے کمزوروں کا حق دلواتے تھے وہ تمام مسلمانوں کے شفیق باپ تھے وہ ایک سچے بندۂ مومن تھے اللہ اور رسول پر ان کے سچے ایمان نے ان کی خود اعتمادی میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار سیاست دان تھے۔ وہ ایک صاحب نظر حکمراں تھے جن کی عقل و حکمت نے ان کے لئے مختلف النسل مختلف اللسان اور مختلف المذاہب قوموں پر حکومت کرنا آسان بنا دیا تھا۔

آپ کے سیاسی تدبر اور عسکری مہمات میں قیصر و کسریٰ کو مفتوح کر کے ان عظیم سلطنتوں کا رعب عربوں کے دلوں سے اٹھا دیا تھا اور فاقہ مست مسلمانوں کو غنی بنا دیا تھا۔

روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت سلمان فارسی سے پوچھا میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ۔ حضرت سلمان نے جواب دیا اگر آپ نے مسلمانوں کی زمین سے ایک درہم یا اس سے کم و بیش وصول کیا اور وہ صحیح جگہ صرف نہ ہوا تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں اس جواب سے حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

نظامِ خلافت

اسلامی نظم مملکت کی اساس گو صدیق اکبر کے عہد میں رکھی گئی مگر انہیں بہت تھوڑا وقت ملا جو اندرونی فتنوں اور بیرونی شورشوں کے انسداد میں صرف ہو گیا اور باقاعدہ اسلامی خلافت کے آئین کی تنظیم نہ ہو سکی۔ درحقیقت اسلام کے نظام حکمرانی کے تمام خدوخال ابھر کر حضرت عمر کے دورِ خلافت میں منظر شہود پر آئے اور ایک ترقی یافتہ کامل آئین جہانبانی سامنے آیا۔ حکومت کے تمام صیغے اور محکمے قائم ہوئے اور ایک اعلیٰ ترین اسلامی جمہوریت کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں شخصی اقتدار و سطوت سے بالاتر ایک عوامی حکومت کی صاف و شفاف فضا سے دنیا روشناس ہوئی۔

عہد فاروقی میں حکومت کے تمام تر اختیارات عوام کے ہاتھ میں تھے ارباب حل و عقد کے نمائندے تھے اور انہیں کے مشورے پر حکومت کا سارا نظم و نسق جاری تھا۔ اس اسلامی جمہوریت کی اصل روح مجلس شوریٰ تھی جس کے ارکان ممتاز مہاجرین و انصار تھے اور جب کوئی اہم مرحلہ پیش آتا تو تمام مہاجرین و انصار کی مجلس عام منعقد ہوتی تھی اور مسائل باہمی تبادلۂ خیال سے طے پاتے تھے۔ مختلف موقعوں پر حضرت عمر نے فرمایا۔ لاخلافۃ الا عن مشورۃ۔ ایسی بھی نظیریں ملتی ہیں جن میں عوام کی رائے پر سابق فیصلے بدل دئے گئے۔ قیصر و کسریٰ اور دیگر شہنشاہوں کی طرح عمر کی کوئی امتیازی شناخت نہ تھی تاج و تخت تھا نہ دربار خاص و عام نہ محافظ

آج رسول عربی کا ایک رفیقِ دینِ حق کا محافظ، اسلامی سلطنت کا عظیم قائد ان کے درمیان سے اٹھ گیا۔

تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ مسجد نبوی میں لایا گیا جہاں حضرت صہیب رومی نے نماز جنازہ پڑھائی پھر جنازہ حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں لایا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن عوام قبر میں اترے اور جنازہ قبر میں اتارا۔ حضرت ابوبکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس طرح دفن کئے گئے تھے کہ آپ کا سر شانۂ رسالت کے متوازی تھا۔ حضرت عمر کا سر شانۂ ابوبکر صدیق کے متوازی رکھا گیا۔

حکومت حضرت عمر دس سال چند مہینے اسلامی سلطنت کے قائد رہے۔ ان کی پوری زندگی اللہ اور اس کے دین کے لئے وقف تھی۔ ان کا دل ان کی عقل اور ان کے اعضاء و جوارح اس بارِ عظیم کو اٹھانے میں شب و روز مصروف رہتے تھے جو ان کے شانوں پر رکھے گئے تھے۔ وہ فوج کے سپہ سالار اعظم بھی تھے تو دوسری جانب فقیہ اعظم اور مجتہد اکبر بھی تھے جن کی رائے سند سمجھی جاتی تھی اور جن کا اجتہاد تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہ ایک پاک دامن اور انصاف پسند قاضی تھے جو مقدمات کے فیصلے کرتے اور طاقت وروں سے کمزوروں کا حق دلواتے تھے وہ تمام مسلمانوں کے شفیق باپ تھے وہ ایک سچے بندۂ مومن تھے اللہ اور رسول پر ان کے سچے ایمان نے ان کی خود اعتمادی میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار سیاست دان تھے۔ وہ ایک صاحب نظر حکمران تھے جن کی عقل و حکمت نے ان کے لئے مختلف النسل مختلف اللسان اور مختلف المذاہب قوموں پر حکومت کرنا آسان بنا دیا تھا۔

آپ کے سیاسی تدبر اور عسکری مہمات میں قیصر و کسریٰ کو مفتوح کر کے ان عظیم سلطنتوں کا رعب عربوں کے دلوں سے اٹھا دیا تھا اور فاقہ مست مسلمانوں کو غنی بنا دیا تھا۔

روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت سلمان فارسی سے پوچھا میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ۔ حضرت سلمان نے جواب دیا اگر آپ نے مسلمانوں کی زمین سے ایک درہم یا اس سے کم و بیش وصول کیا اور وہ صحیح جگہ صرف نہ ہوا تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں اس جواب سے حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

نظامِ خلافت

اسلامی نظم مملکت کی اساس گو صدیق اکبر کے عہد میں رکھی گئی مگر انہیں بہت تھوڑا وقت ملا جو اندرونی فتنوں اور بیرونی شورشوں کے انسداد میں صرف ہو گیا اور باقاعدہ اسلامی خلافت کے آئین کی تنظیم نہ ہو سکی۔ درحقیقت اسلام کے نظام حکمرانی کے تمام خد و خال ابھر کر حضرت عمر کے دور خلافت میں منظر شہود پر آئے اور ایک ترقی یافتہ کامل آئین جہانبانی سامنے آیا۔ حکومت کے تمام صیغے اور محکمے قائم ہوئے اور ایک اعلیٰ ترین اسلامی جمہوریت کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں شخصی اقتدار و سطوت سے بالاتر ایک عوامی حکومت کی صاف و شفاف فضا سے دنیا روشناس ہوئی۔

عہد فاروقی میں حکومت کے تمام تر اختیارات عوام کے ہاتھ میں تھے ارباب حل و عقد کے نمائندے تھے اور انہیں کے مشورے پر حکومت کا سارا نظم و نسق جاری تھا۔ اس اسلامی جمہوریت کی اصل روح مجلس شوریٰ تھی جس کے ارکان ممتاز مہاجرین و انصار تھے اور جب کوئی اہم مرحلہ پیش آتا تو تمام مہاجرین وانصار کی مجلس عام منعقد ہوتی تھی اور مسائل باہمی تبادلۂ خیال سے طے پاتے تھے۔ مختلف موقعوں پر حضرت عمر نے فرمایا۔ لاخلافۃ إلا عن مشورۃ۔ ایسی بھی نظریں ملتی ہیں جن میں عوام کی رائے پر سابق فیصلے بدل دئے گئے۔ قیصر و کسریٰ اور دیگر شہنشاہوں کی طرح عمر کی کوئی امتیازی شناخت نہ تھی تاج و تخت تھا نہ دربار خاص و عام نہ محافظ

دستہ اور نہ ہی نقیب وحاجب کسی قصرِ امارت کا تو کہیں تصوّر ہی نہ تھا حضرت عمر ایک عام شہری کی طرح اپنی اور دوسروں کی ضروریات کے لئے کوچہ و بازار میں تنہا آتے جاتے۔ اہم ملکی وسیاسی، دینی مسائل کے لئے مسجد نبوی کا صحن ہوتا جہاں مجلسِ شوریٰ منعقد ہوتی اور بڑے بڑے فیصلے کئے جاتے۔

مُلک کی تقسیم

عہدِ فاروقی میں قیصر وکسریٰ کے عراقی، ایرانی، شامی مصری مقبوضات ٹوٹ کر عرب میں شامل ہو گئے تھے اس طرح حضرت عمر نے وسیع حدود سلطنت میں نظم وضبط قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے اسلامی حکومت کو صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کیا اور ان کے حدود قائم کئے۔ اسلامی مقبوضات کی تقسیم اس طرح تھی۔

ملک	ضلع یا صوبہ
عرب	مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، طائف، یمن، بحرین
شام	دمشق، حمص، ایلیا۔ (بیت المقدس) رملہ و فلسطین
مصر	زیریں حصہ جس میں پندرہ اضلاع تھے
"	الائی اضلاع (صعید) یہ اٹھائیس ضلعوں پر مشتمل تھا
عراق	جزیرہ بصرہ، کوفہ، دوآبہ
ایران	مدائن، خراسان، آذربیجان، فارس، آرمینیہ، خوزستان، کرمان

ہر صوبہ اور ضلع میں عمال وعہدہ دار مقرر تھے جو ملکی نظم ونسق قائم رکھتے تھے عمومًا ہر صوبہ یا ضلع میں حسب ذیل عہدہ دار ہوا کرتے تھے۔

(۱) گورنر (۲) کاتب (۳) کاتب دیوان (۴) صاحب الخراج (۵) صاحب احداث (۶) صاحب بیت المال (۷) قاضی۔

والی کے علاوہ چند دیگر معاملہ فہم معززین کا تقرر بھی دربار خلافت سے ہوتا تھا جو اس کے مشیر ومعاون ہوتے تھے۔

حضرت عمر عہدہ داروں کے انتخاب میں غیر معمولی احتیاط برتتے تھے جس میں جیسی صلاحیت ہوتی اسی لحاظ سے اس کو منصب پر مامور کرتے اس بارے میں صحابہ سے صلاح ومشورہ بھی لیتے تھے عمال اور عہدہ داروں کی تنخواہ بھی متعین فرماتے جسے دربار خلافت سے ادا کیا جاتا۔ اس وقت صوبہ داروں کی تنخواہیں پانچ ہزار تک ہوا کرتی تھیں جو مال غنیمت کی تقسیم سے انہیں ملتا وہ اس تنخواہ کے علاوہ تھا۔ عمال اور عہدیداروں کو ان کے فرائض کی ادائیگی کے لئے ہدایات دی جاتی تھیں اور ان سے یہ عہد ضرور لیا جاتا۔

ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا، باریک کپڑے نہ پہننا، چھنا ہوا آٹا نہ کھانا دروازے پر دربان نہ رکھنا، اہل حاجت کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھنا۔

عمال کو ان کے فرائض سے روشناس کرایا جاتا۔ حضرت عمر اپنے خطبوں میں اور مکاتیب میں اس کا التزام فرماتے چنانچہ آپ نے ایک خطبہ میں عاملوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

الا وانی لم ابعثکم امراء ولاجبارین ولکن بعثتکم ائمۃ الھدیٰ یھتدی بکم فادّوا علی المسلمین حقوقھم ولا تضربوھم فتذلوھم ولاتحمدوھم فتفتنوھم ولاتغلقوا الابواب دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم ولا تستاثروا علیھم فتذلوھم۔
(ابن خلدون ج ۲ ص ۱۴۰)

"آگاہ ہو جاؤ میں نے تم کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تم سے ہدایت پائیں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو اور ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں اور ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں اور نہ ان کے لئے اپنے دروازے بند رکھو کہ زبردست کمزور کو ستائیں اور نہ ان سے کسی بات میں اپنے کو ترجیح دو کہ یہ ان پر ظلم کریں۔

اگر کسی عامل کی کوئی شکایت موصول ہوتی تو اسے سخت تنبیہ کیا کرتے اور

عہد نامہ کے مطابق رہنے اور حکومت کرنے کی ہدایت کرتے۔ چند خطوط ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا۔

○ اے سعد! جب خدا کسی انسان کو چاہتا ہے تو اسے لوگوں کا چہیتا بنا دیتا ہے پس اگر تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ خدا تم کو کتنا چاہتا ہے تو یہ دیکھو کہ لوگ تم کو کتنا چاہتے ہیں۔ یاد رہے کہ تم خدا کی رضا جوئی جتنی کرو گے اتنا ہی خدا تمہیں پیار کرے گا۔ (رسائل عمر نمبر ص ۹۶)

○ مجھے معلوم ہوا کہ تم نے ایک محل بنوایا ہے جس میں عوام الناس سے الگ تھلگ ہو کر رہنے لگے ہو اور اس کا نام قصر سعد ہے اور تم نے اپنے اور عوام کے درمیان ایک پھاٹک بھی لگوا دیا ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ تمہارا محل نہیں بلکہ کور دماغی کا محل ہے اس محل کے صرف ایک گوشہ میں بود و باش رکھو اور وہ حصہ بیت المال سے متصل ہو باقی عمارت بند کر دو محل میں کوئی پھاٹک نہ لگواؤ جس سے لوگوں کو اندر آنے اور اپنے مسائل تمہارے سامنے پیش کرنے میں رکاوٹ ہو۔ (ایضاً) ص۲۲۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام لکھا۔

○ واضح ہو کہ خدا کی نظر میں سب سے زیادہ سرخرو اور خوش نصیب حاکم وہ ہے جس کی خدمت سے رعیت کو سکھ اور آرام ملے اور خدا کی میزان میں وہ حاکم سب سے زیادہ بدبخت ہے جس کی بداعمالیوں سے رعیت تباہ و برباد ہو۔ (ایضاً ص ۱۴۰)

ممالک مقبوضہ کے تمام عمال کو موسم حج میں مکہ حاضر ہونے کا حکم تھا کیونکہ اس وقت تمام اطراف و اکناف کے لوگ جمع ہوتے تھے حضرت فاروق اعظم کھڑے ہو کر فرماتے تھے۔

" جس عامل سے جس شخص کو کوئی شکایت ہو وہ پیش کرے میں نے ان کو تم پر اس لئے حاکم بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ وہ تم کو ستائیں یا تمہارا مال واسباب

چھین لیں بلکہ میں اس لئے بھیجتا ہوں کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں پس اگر کسی عامل نے اس کے برخلاف کیا تو مجھے بتاؤ میں اس کا انتقام لینے کے لئے موجود ہوں۔ (ابن خلدون ج ۴ ص ۱۴۱)

عمال یا عہدیداروں کے بارے میں شکایات موصول ہوئیں تو تحقیقات کے لئے بالعموم حضرت محمد بن مسلمہ کو بھیجتے یا کبھی خود عامل کو مدینہ طلب کرتے یا عمال کے ماتحت باشندوں سے ان کے طرز عمل کے بارے میں خفیہ چھان بین کرتے۔

بیت المال عہد رسالت میں کوئی بیت المال اس لئے قائم نہ ہوا کہ جو کچھ بھی آتا فی الفور لوگوں میں تقسیم ہو جاتا عہد صدیقی میں بھی یہی نظام باقی رہا لیکن آخر میں صدیق اکبر نے بیت المال کی علیحدہ عمارت تعمیر کرادی تھی مگر اس کے اندر کسی خطیر رقم کے جمع کرنے کا موقع نہ آیا آپ نے افسر خزانہ بھی مقرر کر دیا تھا مگر اس شعبہ کو استحکام عہد فاروقی میں حاصل ہوا۔ عہد فاروقی میں حضرت ابوہریرہ بحرین کے والی تھے وہ پانچ لاکھ کی رقم مدینہ لائے اس وقت مالیات کا ایک دفتر قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا چنانچہ بیت المال کے اندر موصولہ رقوم و اشیاء بحفاظت تمام اندراجات کے ساتھ رکھنے کا اہتمام ہوا۔ حضرت عبداللہ بن ارقم خزانہ اور حساب و کتاب کے نگران اور عبدالرحمٰن بن عبید اور معیقیب ان کے مددگار مقرر کئے گئے۔ اس طرح صوبوں کے دارالحکومت میں بھی بیت المال قائم کئے گئے یہ عمارتیں مستحکم اور شاندار بنائی گئیں۔ صوبوں اور اضلاع کی آمدنی میں سے وہاں کے مصارف نکال کر باقی ماندہ رقم سال بہ سال دارالخلافت بھیجی جاتی تھی دارالخلافہ کے باشندوں کو وہاں کے خزانہ سے جو تنخواہیں اور وظیفے دئے جاتے تھے اس رقم کی مقدار تین کروڑ سالانہ تھی۔ حضرت عمر بیت المال کے اندوختہ سامان کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ کسی قسم کی رقم اس کے احاطے سے باہر جانے نہیں دیتے تھے اور بے جا صرف ہونے کا جہاں ادنیٰ بھی شائبہ ہوتا وہاں مال کی

صرف نہ ہونے دیتے۔

خراج اور مردم شماری

سرزمین عرب میں اسلام سے پہلے خراج کا کوئی منظم قاعدہ نہ تھا۔ خراج کی وصولی کا آغاز تو عہدِ رسالت سے ہوا لیکن اس کا نظم و نسق اور اس میں ترقی کی تکمیل عہد فاروقی میں ہوئی حضرت عمر نے مفتوحہ مقامات کو فوج میں جاگیر کے طور پر تقسیم کرنے کے بجائے تمام آراضی اس کے قدیم مالکوں اور کاشتکاروں کے پاس رہنے دی اور ان کو ہر طرح آزاد چھوڑنے کے لئے مجلس شوریٰ طلب کی۔ کئی روز بحث و مباحثہ کے بعد آپ ہی کی رائے کے موافق فیصلہ ہوا اور آراضی مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کے قبضے میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

حضرت عمر نے قیام خراج کے لئے عراق کی مردم شماری اور زمین کی پیمائش کرائی سعد بن وقاص نے بڑی احتیاط سے مردم شماری کے کاغذات مرتب کئے۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان پیمائش پر مامور ہوئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے کاغذات پیمائش بڑی عرق ریزی سے مرتب کئے تھے۔ عراق کا طول ۳۷۵ میل عرض ۲۴۰ میل تھا۔ جس میں پہاڑ، صحرا و نہر کو پیمائش سے خارج کر دیا گیا تھا۔ قابلِ کاشت زمین ......۳۶۰ تین کروڑ ساٹھ لاکھ مربع میل تھی جو اس کے باشندوں کو دے دی گئی سال بندوبست میں عراق کا کل خراج آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم سالانہ ہوا تھا۔ دوسرے سال لگان کی شرح کم ہونے کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں مزروعہ بنائی گئیں جس سے مقدار خراج آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم پہونچ گئی۔ عراق کے علاوہ مصر وغیرہ کا قدیمی بندوبست خراج باقی رکھا گیا البتہ جہاں جبر و تعدی کا کچھ بھی اثر تھا اس کو زائل کر دیا۔ عہد فاروقی میں شام سے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار، یمن سے پانچ کروڑ اسی لاکھ روپے۔ عراق سے دس کروڑ بیس ہزار درہم، مصر سے ایک کروڑ بیس لاکھ دینار خراج کی آمدنی تھی۔

زکوٰۃ، جزیہ، عشور

اسلامی خزانہ کی آمدنی میں خراج کے علاوہ زکوٰۃ، عشور جزیہ اور اموال غنیمت کی مدیں تھیں۔ حضرت عمر سے پہلے تجارتی گھوڑوں پر زکوٰۃ نہ تھی۔ آپ نے سواری کے گھوڑوں کو مستثنیٰ کر کے تجارتی گھوڑوں پر زکوٰۃ قائم کر دی۔

روم و ایران کی سلطنتوں میں دستور تھا کہ عرب تاجروں سے چنگی وصول کی جاتی تھی مسلمان تاجر بھی ان مختلف سلطنتوں میں اپنا مال تجارت لے جاتے تو وہاں ان سے چنگی لی جاتی تھی حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عمر کو اس کیفیت سے مطلع کیا تو حضرت عمر نے بھی غیر ملکی تاجروں سے چنگی وصول کرنے کا حکم نافذ کیا اور دو سو درہم سے کم کے مال کو چنگی سے مستثنیٰ رکھا زیاد بن حذیر اس صیغہ کے نگراں تھے۔

دیوان مالیات

اس شعبہ کی ابتداء بھی عہد فاروقی میں ہوئی حساب و کتاب کے لئے تاریخ و سنہ کی ضرورت تھی چنانچہ ۱۶ھ میں عمر فاروق نے تاریخ و سن کی تعیین کے لئے ایک مجلس شوریٰ بلائی جس میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ جمع ہوئے۔ کسی نے کہا سنہ کی ابتداء رسول اللہ کی ولادت سے کی جائے کسی نے نبوت سے آغاز سنہ کا مشورہ دیا۔ کسی نے پارسیوں کے سنہ کی تقلید کا مشورہ دیا۔ فاروق اعظم نے ان رایوں سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔ بہتر ہے کہ سنہ کا شمار ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جائے کیونکہ اسلام میں یہ عظیم واقعہ گزرا ہے اور اسی کے بعد سے اسلام کی اشاعت ہوئی ہے۔ سب نے رائے پسند کی اور لوگوں کا اس امر پر یہ اتفاق ہو گیا پھر آغاز سال کے لئے ربیع الاوّل یا محرم کے مہینہ کی بات آئی فاروق اعظم نے عرب دستور کے مطابق سال کا پہلا مہینہ محرم کو قرار دیا۔

سنہ کی تعیین کے بعد عمر فاروق نے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار کرائے مختلف رجسٹر بنوائے جس میں روزینہ داروں کا حساب درج کیا جاتا دفتر خراج الگ مرتب کیا۔ آمدنی کی مختلف مدوں زکوٰۃ، صدقات مویشی جزیہ و عشور کے الگ الگ رجسٹر بنوائے گئے۔ زکوٰۃ و جزیہ کی تشخیص کے لئے ہر مقام

کی مردم شماری کرائی گئی اس کے کاغذات پوری حفاظت کے ساتھ رکھتے گئے۔ غیر قوموں کے معاہدوں کے ریکارڈس رکھنے کے لئے علیحدہ صندوق بنوایا۔ یہ سارے حساب وکتاب مستطیل کاغذات پر تحریر کئے جاتے جنہیں لپیٹ کر رکھا جاتا۔

سکے

عہدِ فاروقی کی ابتدا میں وہی سکے جاری رہے جو پہلے سے عرب اور مفتوحہ علاقوں میں چل رہے تھے آگے چل کر حضرت عمر نے اپنا سکہ جاری کیا جو نوشیروانی سکے کے مطابق تھا ان سکوں میں کسی پر الحمد للہ کسی پر محمد رسول اللہ اور کسی پر لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ کندہ تھا۔ دس درہم کا مجموعی وزن ۶ مثقال کے برابر ہوا کرتا تھا۔

عسکری انتظامات

عہدِ فاروقی میں جب اسلامی حکومت قیصر وکسریٰ کے وسیع سلطنتوں سے بھی رقبہ میں وسیع ہوگئی تو سرحدوں کی حفاظت اندرونی و بیرونی شورشوں کا خاتمہ کرنے کے لئے حضرت عمر نے باقاعدہ عسکری نظام قائم کیا ابتداء میں مہاجرین وانصار کے تمام افراد کے نام ایک رجسٹر میں درج کرا کے حسب مراتب تنخواہیں مقرر کردیں اور ان کے اہل وعیال کے گذارے کے لئے وظائف مقرر کر دئے گئے اصحاب بدر کی اولاد کی تنخواہیں دو دو ہزار درہم سالانہ اور مہاجرین وانصار کی بیویوں کی تنخواہیں دو سو سے چار سو رکھی گئیں پھر اس دائرے کو وسعت دے کر تمام عرب قبائل کو عسکری نظام میں شامل کرلیا اور مردم شماری کرا کے شیر خوار بچوں تک کے وظائف مقرر کر دئے اس طرح ہر عرب بچہ یوم ولادت ہی سے عسکر اسلام کا سپاہی تسلیم کرلیا گیا۔ ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا، کپڑا بھی دیا جاتا تھا۔

فوجی قواعد کا بھی خاص اہتمام تھا ہر چار ماہ بعد سپاہی کو وطن پہونچ کر اپنے اہل وعیال سے ملنے کی اجازت تھی جس طرح انتظامات ملکی کی سہولت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ممالک محروسہ کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا اسی طرح مقبوضہ ممالک

کو جنگی و فوجی حیثیت سے بھی مختلف حصّوں میں تقسیم کیا، اس لحاظ سے مدینہ، کوفہ، بصرہ فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن، فلسطین فوجی مراکز قرار پائے۔ ان مراکز کے علاوہ ملک میں چھوٹی چھوٹی فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں خصوصًا مشرقی مقبوضات اہواز، ہرمزان، سوس، رُئے، آذربیجان وغیرہ میں دس دس ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں فوج کے لئے علیٰحدہ بیرکیں تعمیر کرائی گئی تھیں۔ فوجی مراکز میں سپاہ کی ساری ضروریات کا نظم و نسق قائم کیا گیا۔ گھوڑوں کی داشت و پرداخت کے لئے اصطبل اور چراگاہوں کا انتظام تھا۔ سرکاری گھوڑوں کو داغا جاتا تھا۔ رسد کے لئے مختلف قسم کے غلّے ہر وقت جمع رہتے اور ہر سپاہی کو ایک ماہ کی رسد حساب سے دے دی جاتی تھی۔ عہدِ فاروقی میں اسلامی فوج کی تعداد آٹھ دس لاکھ تھی۔

کوفہ و بصرہ وغیرہ میں فوجی نقطۂ نظر سے قبائل کے محلے بسائے گئے تھے جن سے بوقت ضرورت فوجی خدمت لی جاتی تھی ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ محاسب، قاضی، طبیب، جراح اور متعدد ترجمان ہوا کرتے تھے۔ تمام حربی اسلحے قلعہ شکنی کے لئے منجنیق اور دبابہ ساتھ رہتا تھا۔ راستہ، سڑک اور پل بنانے کے آلات و اوزار بھی ساتھ رہتے۔

عمر فاروق نے ایسا عسکری نظم قائم کیا تھا کہ ہر طرف ایک دھاک بیٹھ گئی نہ اندرونی ملک میں شورش کا اندیشہ اور نہ بیرونی حملوں کا کوئی خوف باقی رہا۔

شعبۂ عدالت

دُنیا کے متمدن ممالک میں انتظامیہ اور عدالت مدتوں تک یک جا تھے مگر حضرت عمر نے خلافت کے چند روز بعد اس شعبہ کو علیٰحدہ کر دیا حضرت ابوبکر کے زمانے تک خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضا کا کام کیا کرتے تھے حضرت عمر نے شعبۂ عدالت کو خود مختار بنایا اور با اثر صاحب عظمت و فضل اشخاص کو عہدۂ قضا پر مامور کیا ہر ضلع و شہر میں عدالتیں قائم کیں قضا کے اصول و قوانین کے متعلق ابوموسیٰ اشعری کے نام خط تحریر فرمایا جس میں صیغہ

عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔

خدا کی تعریف کے بعد! قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور رو ادار کو تمہاری رُو رعایت کی اُمّید پیدا نہ ہو جو شخص دعوے کرے اسی پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم، صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال، اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کرو اگر وہ ثبوت دے دے تو اس کا حق دلاؤ ورنہ مقدمہ خارج کر دو۔ مسلمان سب ثقہ ہیں۔ ان اشخاص کے علاوہ جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولاء اور وراثت میں مشکوک ہوں اس مکتوب میں قاضی کے لئے قضا کے بنیادی اصول بیان کر دئے گئے تھے۔

فیصل مقدمات کے لئے بنیادی قانون قرآن مجید تھا اس کی معاونت کے لئے حدیث و اجماع سے مدد لینے کی اجازت تھی اور ان مصادر میں کوئی جزیہ نہ مل سکے تو انہیں بنیادوں پر خود اجتہاد کر کے قیاس کرنے کی ہدایت دی۔ خود حضرت عمر وقتاً فوقتاً مشکل اور اہم مسائل پر اپنے فتاوے لکھ لکھ کر حکام عدالت کے پاس بھیجا کرتے تھے یہ سارے فتاوے صحابہ کی مجلس علمی میں بحث و تحیص سے طے پاتے اس طرح یہ فتوے اجماع صحابہ کا درجہ رکھتے تھے۔

قاضیوں کے انتخاب میں غیر معمولی احتیاط برتی جاتی۔ آپ مشہور لوگوں کو ہی قاضی بناتے اور تقرر سے پہلے اکثر ان کا عملی امتحان لے کر ان کے بارے میں ذاتی تجربہ حاصل کر لیتے۔ عہدِ فاروقی کے مشہور قضاۃ میں حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت کعب سور الازدی، حضرت عبادہ بن صامت

جمیل بن معمر جمحی، ابو مریم حنفی، قاضی شریح، سلیمان بن ربیعہ باہلی، عبدالرحمٰن بن ربیعہ ابو قرہ کندی، عمران بن حصین۔ جن کی عظمت و شان کا تذکرہ رجال کی کتابوں میں محفوظ ہے۔

قاضیوں کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں۔ قضاۃ علم و فضل کے ساتھ دولت مند و معزز بھی ہوں تاکہ رشوت کی راہ نہ کھل سکے اور وہ اپنے فیصلے میں کسی کے مرتبہ و اعزاز کا لحاظ نہ رکھیں۔ قاضیوں کو خرید و فروخت اور عام لین دین کی اجازت نہ تھی۔

عدالت کے قانون مرتب کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھا کہ انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور ہر شخص انصاف حاصل کر سکے مقدمات کے قیام کے لئے کوئی رقم مقرر نہ تھی۔ عدالتیں مسجدوں میں قائم ہوتیں جہاں ہر کس و ناکس حاضر ہو کر اپنا دعویٰ پیش کر سکتا تھا۔

عمر فاروق کی میزان عدل میں عزیز و بیگانہ، شاہ و گدا، شریف و رذیل سب برابر تھے سب کے لئے ایک قانون تھا معمولی سے معمولی شخص بڑے سے بڑے معزز و محترم شخص کو بھی مدعا علیہ بنا سکتا تھا اور انصاف کے معاملے میں کوئی رعایت یا جانب داری ہرگز نہ برتی جاتی تھی۔ چنانچہ گورنر مصر کے صاحبزادے نے ایک شخص کو بلا وجہ کوڑے لگوائے۔ آپ نے اسی مضروب سے ان کو بھی اتنے ہی کوڑے لگوائے اور دونوں باپ بیٹے خاموشی کے ساتھ تماشہ دیکھتے رہے۔

ایک مرتبہ حضرت اُبی بن کعب اور حضرت عمر میں کوئی نزاع ہوئی تو ابی بن کعب قاضی مدینہ زید بن ثابت کی عدالت میں دعویٰ لے کر گئے عمر مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے زید نے تعظیم کی تو آپ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ اور ابی بن کعب کے ساتھ بیٹھ گئے ابی بن کعب کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا حضرت عمر کو دعویٰ سے انکار تھا اُبی نے آپ سے قسم لینی چاہی لیکن زید نے رتبہ کا لحاظ کر کے اُبی سے کہا کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ

ہوئے اور زید کو خطاب کرتے ہوئے کہا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔

شعبۂ افتاء

کسی جرم کی پاداش سے بچنے کے لئے قانون سے ناواقف کا عذر قابل سماعت نہ سمجھا گیا اسی لئے حضرت عمر نے عوام کو قانون سے آگاہ رہنے اور بوقت ضرورت احکام و مسائل کے استفساروں کا جواب دینے کے لئے ایک مستقل شعبۂ افتاء قائم کیا۔ قانون کی تشریح اور سوالوں کا جواب دینے کے لئے چند اشخاص کو نامزد کر دیا تھا اس طرح ہر کس و ناکس کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی صاحب افتا شخصیتیں حضرت علی، عثمان، معاذ بن جبل، عبدالرحمٰن بن عوف، ابی بن کعب زید بن ثابت، ابوہریرہ، ابودرداء رضی اللہ عنہم تھے۔

شعبۂ احداث و محبس

عہد فاروقی میں ایک نیا شعبہ احداث کے نام سے قائم ہوا۔ اس کے افسروں کو صاحب الاحداث کہا جاتا تھا جو بازاریں امانت و دیانت کی دیکھ بھال کرتا تاکہ دوکاندار ناپ تول میں فریب نہ دے سکیں۔ سڑک اور راستے پر کوئی مکان تعمیر نہ ہونے پائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ شراب اعلانیہ نہ بکنے پائے ان امور کے لئے ہر شہر میں افسر مقرر تھے۔

عرب میں جیل خانہ کا رواج نہ تھا حضرت عمر نے سب سے پہلے جیل خانے تعمیر کرائے سب سے پہلا قید خانہ صفوان بن امیہ کا مکان تھا ممالک محروسہ کے تمام ضلعوں میں قید خانے تعمیر کرائے گئے جہاں مجرموں کو قید کیا جاتا۔

اسلام کی اشاعت

اسلام کے نظام خلافت میں دین حق کی اشاعت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ عمر فاروق نے اپنے عہد خلافت میں اسلام کی اشاعت اور علوم دینیہ کی ترویج کا خاص اہتمام کیا۔ سرکاری افسر اور عہدہ داروں سے لے کر عام مسلمانوں کی اخلاقی و دینی اصلاح پر خاص توجہ صرف کی۔ مسلمانوں کے اعلیٰ کردار ان کی شرافت اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر ممالک

محروسہ کے بہت سے باشندوں نے برضا و رغبت دین حق کو قبول کر لیا۔ چنانچہ رومی سفیر اسلامی کیمپ میں آیا تو سالار فوج کی سادگی کا گرویدہ ہوگیا اور اسلام کی صداقت کا معترف ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔ مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر مشرف باسلام ہوگیا اس قسم کے صدہا واقعات تاریخ کی زینت ہیں وہ عرب قبائل جو عراق اور شام کے حدود میں آباد تھے حضرت عمر نے ان سب کو تبلیغ دین کے ذریعہ مسلمان کر لیا۔ مسلمانوں کی فتوحات اور مفتوحہ علاقوں پران کے جذبۂ ترحم کی زرّیں مثالوں نے بھی اجتماعی حیثیت سے لوگوں کو اسلام کی جانب مائل کیا۔ دیلم کی چار ہزار فوج نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ فتح جلولاء کے بعد بہت سے رؤسا مسلمان ہوگئے شام اور مصر میں بھی کثرت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ شہر فسطاط میں تو مسلموں کا ایک بڑا محلہ آباد ہوگیا تھا۔ انفرادی و اجتماعی ہر لحاظ سے عہد فاروقی میں غیر مسلموں کے اندر خوب اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اشاعت دین کے سلسلے میں جبر و اکراہ کو ہرگز روا نہ رکھا گیا۔

تعلیم دین

اسلام کی اشاعت کے ساتھ خود مسلمانوں کی تعلیم و شعار اسلام پر عمل کا رواج عام تھا اس باب میں حضرت عمر کی مساعیٔ جمیلہ کا سلسلہ عہد صدیقی ہی سے نمایاں طور پر شروع ہوتا ہے چنانچہ جنگ یمامہ کے بعد قرآن کی تدوین کے لئے خلیفہ اول کو آپ نے ہی آمادہ کیا اس طرح دین حق کا اساسی دستور قرآن حکیم کتابی صورت میں مدون کیا گیا۔

فاروق اعظم نے اپنے دور میں تعلیم قرآنی کے لئے حضرت عبادہ بن صامت معاذ بن جبل اور ابو درداء کو حمص و دمشق اور فلسطین بھیجا جہاں ان حفاظ قرآن صحابہ کی سرپرستی میں تعلیم قرآن کی درس گاہیں قائم ہوئیں جن سے بے شمار ناظرہ خواں اور ہزاروں حفاظ قرآن پیدا ہوئے۔

شام کے علاوہ دیگر تمام ممالک محروسہ میں درس قرآن کے لئے معلمین و قراء کا تقرر فرمایا اور قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام کیا۔ خانہ بدوش بدوؤں میں بھی پوری توجہ

کے ساتھ قرآنی تعلیم کا رواج عام کیا گیا۔

چونکہ فن نعت وادب کی تعلیم اور عربی زبان کی تحصیل قرآن کی تعلیم و تفہیم کے لئے ناگزیر تھی اس لئے قرآن کی تعلیم کے ساتھ فنون ادب کی تحصیل بھی لازم قرار دی تاکہ لوگ قرآن کو اعراب والفاظ کی صحت کے ساتھ پڑھ سکیں اور آیتوں کے مفاہیم کو سمجھ سکیں۔ اور یہ حکم جاری کیا کہ جو لغت کا عالم نہ ہو وہ قرآن نہ پڑھائے غیر عربوں میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ اعراب قرآن کی تعلیم کا بھی خاص اہتمام کرایا۔ قرآن کی تعلیم کے ساتھ حدیث وفقہ کی تعلیم کو بھی عام کیا صحابہ کرام میں جو لوگ ان علوم میں درک رکھتے تھے ان کو حدود سلطنت میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا ان لوگوں نے ممالک محروسہ کے شہروں میں درس وتدریس کے بڑے بڑے حلقے قائم کئے جہاں شائقین علم جوق در جوق جمع ہو کر حدیث وفقہ کا درس لیتے۔ سائلین سوالات کرتے شیوخ انہیں جواب دیتے تلامذہ حدیث اور احکام قلم بند کرتے بیک وقت ایک ایک حلقۂ درس میں تیس تیس ہزار تلامذہ شریک ہوتے حضرت عمر نے ان محدثین وفقہا کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کر دی تھیں ان مقتدر ہستیوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن مغفل، عمران بن حصین، معقل بن یسار، عبادہ بن صامت اور ابو درداء تھے۔

ہر شخص کو مسائل بیان کرنے کی اجازت نہ تھی یہ اختیار انہیں لوگوں کو حاصل تھا جو اس خدمت پر مامور تھے۔ فقہاء عموماً انہیں مسائل کو بیان کرتے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا ہوتا یا جن مسائل کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے طے کرا لیا گیا ہوتا۔

حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد خلافت میں مفتوحہ بلاد وقریات میں بکثرت مسجدیں تعمیر کرائیں ہر بڑے شہر میں مسجد جامع اور قبائل کے لئے علیحدہ علیحدہ مسجدیں تعمیر کرنے کا حکم دیا چنانچہ آپ کے زمانہ میں تعمیر ہونے والی مساجد کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے ان مساجد کے لئے مؤذن وخطیب کا تقرر بھی شعبہ مذہبی کی طرف سے عمل میں آتا جن کی تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتیں۔ مسجد نبوی کی توسیع بھی کی گئی۔

ذمیوں کے حقوق

قیصر وکسریٰ کی عظیم سلطنتوں میں غیر اقوام کے لئے راحت وآسائش اور ان کے جان ومال کے تحفظ کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ بلکہ حکومت کا مذہب نہ رکھنے والے لوگ غلاموں کی طرح ذلیل تھے ان کا کوئی مستقبل نہ تھا یہ اسلام کی رواداری اور انسانیت نوازی تھی کہ اس نے مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلموں کے لئے حقوق متعین کئے جن کے ذریعہ غیر مسلم رعایا کو جزیہ کی رقم اس لئے ادا کرنی ہوتی کہ ان کے جان ومال عزت وآبرو مذہب ورسوم کی حفاظت اسلامی اسٹیٹ کے ذمہ ہے اور وہ اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے پرامن باشندوں کی طرح اپنی املاک وجائداد کے مالک ومختار ہوں گے ان کے کاروبار مشاغل، معیشت، تجارت وصنعت میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے گی۔ ذمیوں کے ساتھ جو معاہدے کئے گئے ان میں صراحت کی گئی کہ :۔

"رعایا کے جان ومال ومذہب ہر طرح سے محفوظ رہیں گے ان کی عبادت گاہوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچایا جائے گا۔ ان کے احاطوں میں دست اندازی نہیں کی جائے گی جو ان ملکوں سے چلے جانا چاہیں انہیں آزادی حاصل ہوگی۔ ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کی عبادت گاہوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا ان کی جان ومال مسلمانوں کی جان ومال کے برابر ہوں گے کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کرے گا تو وہ پاداش میں قتل کیا جائے گا اور جن زمینوں پر وہ کاشت کرتے تھے یا وہ ان کے قبضے میں تھیں اسی حیثیت سے بحال رہیں گی ان پر ان کو مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی جائز نہ ہوگا۔"

مال گزاری۔ جزیہ۔ خراج کی شرحیں ہلکی ہوا کرتی تھیں ان کی تحصیل میں بھی نرمی برتی جاتی تھی دربار خلافت سے وفود بھیج کر جانچ کرائی جاتی کہ کسی جگہ مال گذاری کی تحصیل وتشخیص میں سختی تو نہیں برتی گئی وہ ملکی انتظامات جن کا تعلق زمینوں سے ہوتا تھا ان کے مشورے اور استصواب سے طے پاتے۔

عاملوں کو ہدایت تھی کہ مسلمان ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں نہ ان کو نقصان پہونچائیں نہ بے وجہ اُن کا مال کھائیں۔

عامل شام کو لکھا۔

"جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے ان سے جو عہد ہے پورا کیا جائے ان کی حمایت میں لڑا جائے ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"۔

کسی ذمی پر ظلم کی اطلاع مل جاتی تو فوراً اس کا تدارک فرماتے۔

غلامی کا استیصال

غلامی کا رواج عہد قدیم سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں تھا اور عرب میں بھی موجود تھا۔ اسلام نے برائیوں کو مٹانے اور بھلائیوں کو پھیلانے میں تدریجی راستہ اختیار کیا وہ تاریخ انسانی کا ایسا دور تھا جس میں غلاموں کا طبقہ انسانی معاشرہ کا لازمی جز تھا۔ ہزاروں سال پرانے معاشرتی ڈھانچہ کو یکبارگی تبدیل کر دینا آسان کام نہ تھا اس لئے اسلام نے ایسا طرز عمل اختیار کیا کہ رفتہ رفتہ غلامی کی رسم مٹ جائے اور یہ طائفہ انسانی معاشرہ کے طبقہ احرار میں ضم ہو جائے۔ حضرت عمر نے اپنے عہد میں غلامی کے استیصال پر خاص توجہ دی۔ فتنہ ارتداد کے موقعہ پر لونڈی غلام بنائے جانے والے سب کے سب آزاد کر دئے گئے اور یہ قانون بنایا گیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمر نے اُم ولد کی خرید و فروخت بھی ممنوع قرار دے دی اس طرح وہ لونڈی جس کے بطن سے آقا کی اولاد ہو وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جاتی تھی۔

طریقۂ مکاتبت کو بھی عام کیا جس سے ہزاروں غلاموں نے بدل کتابت ادا کر کے آزادی حاصل کر لی۔ حضرت عمر نے غلاموں کو ایسی مراعات دیں کہ غلامی ہمسری کے مرتبہ کو پہونچ گئی جس کی وجہ سے غلاموں کے طبقہ میں بڑے بڑے صاحبان علم و فضل پیدا ہوئے جو نامور شرفاء کے شیخ بنے۔ عکرمہ، نافع محمد بن سیرین تفسیر، حدیث اور فقہ کے ائمہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

آگے چل کر یہ غلام حکومت و امارت کے منصب پر بھی فائز ہوئے اس طرح رسول گرامی کے آخری ارشاد الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم کے لائحہ عمل کا حسین نمونہ دنیا کے سامنے آگیا۔

رفاہِ عام

حضرت عمر کا عہدِ خلافت ابر رحمت بن کر پورے ممالک محروسہ پر سایہ فگن تھا آپ نے اپنے اور افسران مملکت کے عیش و آرام کو عام رعایا کے سکون و راحت پر قربان کر دیا تھا اور وہ کسی کی تکلیف اور درد کو ہرگز برداشت نہ کرتے۔ چنانچہ اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ کوئی شخص بھی بھوک سے نہ مرنے پائے غرباء مساکین کے لئے بلا لحاظ مذہب وملت بیت المال سے روزینے مقرر تھے۔ ملک میں جو لوگ اپاہج، ضعیف، از کار رفتہ اور لنگڑے لولے ہوتے تھے سب کی تنخواہ کا ذمہ دار بیت المال تھا۔ اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے گئے جہاں مسافروں کی ہر طرح خبر گیری کی جاتی۔ مدینہ منورہ کا لنگر خانہ خود آپ کے نگرانی میں تھا لاوارث بچوں کی پرورش و پرداخت کا پورا خیال تھا ایسے بچوں کو دایوں کے سپرد کیا جاتا تھا اور سارے مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے۔ یتیموں کی پرورش اور ان کی جائداد کا انتظام نہایت سرگرمی سے کرتے ایک حبہ بھی ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔

حدود سلطنت میں آباد لوگوں کی راحت و آسائش، ترقی و خوش حالی کے لئے حضرت عمر نے ایک ہمدرد قوم بالغ نظر حاکم کی حیثیت سے رفاہ عام کے عظیم کارنامے انجام دئے ان کا اجمالی تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے۔

نہروں کا اجراء زراعت کی ترقی اور خشک صحراؤں میں آب رسانی کے لئے تمام ممالک محروسہ کے اندر نہریں جاری کرائی گئیں

بند بندھوائے گئے۔ تالاب تیار کرائے گئے۔ نہروں کی شاخیں نکال کر پانی کی تقسیم کے لئے دہانے بنوائے گئے جن سے بہت بڑی آراضی قابل کاشت بنائی گئی۔ شہر و قریہ کے باشندوں کی قلّت آب کی شکایتیں رفع ہوئیں۔

نو آباد شہر اور تعمیرات

عہد فاروقی میں کوفہ، بصرہ، فسطاط، موصل، جیزہ جیسے بڑے شہر بسائے گئے۔ مختلف قبائل کے لئے علٰحدہ علٰحدہ احاطہ کھینچ کر مختصر کچے مکانات بنوائے مرکزی شہروں میں صوبہ کے وُلات اور اضلاع کے حکام کے لئے دارالامارت، دیوان، بیت المال، قید خانے، مہمان خانے، فوجی بیرکیں تعمیر کی گئیں

سڑک اور پُل

شہروں اور قصبوں کو آپس میں جوڑنے اور مسافروں کی سہولت کے لئے شاہراہیں تعمیر کی گئیں ممالک مفتوحہ میں معاہدہ کے ذریعہ وہاں کے باشندوں پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی۔ سرزمین عرب میں دربار خلافت کی نگرانی میں یہ کام انجام پایا۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک ایک سڑک تعمیر کرائی گئی ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں، چشمے تیار کرائے۔ سڑکوں کے درمیان آنے والے دریاؤں پر پُل تعمیر کرائے گئے۔

تعلیم و تعلّم کے لئے درسگاہوں اور معلمین کے تقرر کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

وقائع نگاری

حضرت عمر نے عمال، عہدے داروں کی نقل و حرکت اور ان کے طریقۂ حکمرانی اور ادائیگی قرض کی نگرانی کے لئے ہر جگہ وقائع نگار اور پرچہ نویس مقرر کر دئے تھے جو بڑے زیرک اور چاق و چوبند ہوا کرتے تھے اپنے سرکل کے تمام چھوٹے بڑے واقعات لکھ کر دربار خلافت میں روانہ کرتے رہتے اس طرح آپ ملک کے حالات سے پوری طرح باخبر رہتے اعلیٰ افسروں سے لے کر عوام تک کے حرکات و سکنات افعال و کردار سے واقف ہوتے۔

ان وقائع نگاروں کی نگاہیں کوچہ و بازار کے واقعات کے ساتھ پس دیوار کے حالات بھی دیکھ لیا کرتی تھیں جس سے ہر قسم کی خفیہ سازشیں اور راز ہائے

دروں ان کے علم میں آجاتے جن کا بروقت تدارک کرلیا جاتا تھا۔

حضرت عمر ذاتی طور پر بھی مدینہ اور اطراف مدینہ کا گشت لگا کر لوگوں کے حالات ومسائل کا جائزہ لیا کرتے اور کبھی کبھی دور دراز کا سفر بھی کرتے اور رعایا کے احوال وواقعات کا بچشم خود مشاہدہ کرتے ان کی دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے راحت رسانی کے احکامات جاری کرتے۔

تدبیر مملکت اور سیاست

حضرت عمر نے سیاسی بصیرت اور تدبیر سے نظام حکومت کو اس طرح نافذ کیا کہ جغرافیائی قومی نسلی اور مذہبی اختلافات کے باوجود پورے حدود سلطنت میں امن وامان اور خوش حالی کا دور دورہ قائم ہوگیا اس دور میں دیگر سلطنتوں کا یہ دستور تھا کہ اگر کوئی قوم بغاوت وسرکشی پر آمادہ ہوتی تو باغی قوم کے سارے افراد تہ تیغ کردئے جاتے اور آبادیاں جلا کر خاکستر بنادی جاتیں حضرت عمر کے حدود ولایت میں بھی سرکشی وبغاوت کی واردات ہوئیں تو ان نازک حالات میں بھی آپ نے انصاف سے تجاوز نہ کیا۔ اصلاح قبول نہ کرنے پر باغی افراد کو جلا وطن کردیا تاکہ فتنہ پرداز اپنی نازیبا حرکتوں سے ملک کے امن وامان کو درہم برہم نہ کرسکیں۔

حضرت عمر کی یہ حکمت عملی تھی کہ وہ اپنی نظر اصل حقیقت پر مرکوز رکھتے تھے اور بوقت ضرورت لوگوں کی آزاد نکتہ چینیوں کو برداشت کرلیتے۔

عدل اجتماعی اور مساوات کے اصولوں پر کاربند ہوکر آپ نے انسانیت وشرافت کا معیار قائم کردیا۔ عامل اگر عام لوگوں پر ظلم کرتے تو بلا رو رعایت اسے سزادی جاتی۔

ایک بار سرداران قریش ملاقات کے لئے آئے اتفاق سے صہیب بلال عمار وغیرہ بھی موجود تھے۔ ان میں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے۔ حضرت عمر نے اوّل انہیں کو بلایا۔ سرداران قریش باہر بیٹھے رہے ابوسفیان جو عہد جاہلیت میں تمام قریش کے سردار تھے انہیں یہ بات ناگوار معلوم ہوئی کہا خدا کی قدرت

غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت مل گئی اور ہم لوگ باہر انتظار کر رہے ہیں"۔

حضرت عمر نے مساوات کے ساتھ اسلام کے قائم کردہ شرف و مجد کے امتیاز کو برقرار رکھا۔

حضرت عمر نے مختلف ملکوں اور شہروں کے باشندوں کے ساتھ مختلف روش اختیار کی تاکہ وہاں کے باشندے سچائی کے ساتھ وفادار رہیں۔ ایران، شام اور مصر کے قدیمی باشندوں کے ساتھ رواداری، نرم روی اور انسان دوستی کا جو رویہ اختیار کیا گیا اس سے وہاں کے باشندے نہ صرف مطمئن ہو گئے بلکہ ان کی اکثریت دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔

حضرت عمر کی سیاسی تدبیروں میں عہدہ داروں کا تبادلہ بھی خاص اہمیت رکھتا تھا افسروں اور عاملوں کا تبادلہ کرتے رہتے تھے اور عرب کے زیادہ صاحب اثر افراد کو دارالخلافہ سے باہر نہ جانے دیتے تھے اپنے خاندان والوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے۔

ان کے حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی جوہر شناسی سے حکومت کی مشینری کے لئے انتہائی موزوں اشخاص منتخب کئے سلطنت کے دور افتادہ علاقوں کے واقعات عمال و رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے رسل و رسائل کا معقول انتظام فرمایا۔

علم و فضل

عہد جاہلی کا عرب خالص بدویت اور جہل کا مظہر تھا۔ علم و تمدن سے اکثر لوگ واسطہ نہ رکھتے تھے کتابت و تحریر کا فن ایک عیب کی طرح ان میں ممنوع تھا۔ چنانچہ قبل اسلام مکہ میں صرف سترہ آدمی فن کتابت سے واقف تھے جن میں ایک حضرت عمر بھی تھے۔ آپ صرف لکھنا پڑھنا ہی نہیں جانتے تھے بلکہ

اس دور کے تمام فنون میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ علم الانساب، شعر و سخن تقریر و خطابت، فصاحت و بلاغت، شہسواری و فن حرب میں ماہر تھے۔

حضرت عمر دور جاہلی کے مروجہ فنون اور اپنی خدا داد فطری صلاحیت اور قوت ادراک کے ساتھ جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو قرآن و سنت کے نور نے ان کی فہم و بصیرت کو کافی جلا بخشی اس جوہر قابل کو رسول اکرم کی صحبت و تربیت نے خوب چمکایا۔ شعور و دانائی کا پیکر بن گئے، تدبر، بالغ نظری، ذہانت و فراست، حق گوئی اور اصابت رائے میں وہ ممتاز بن گئے۔ ان کے فضائل و مناقب میں روایات کا ایک ذخیرہ ہے۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

○ إن الله تعالیٰ جعل الحق علیٰ لسان عمر وقلبه۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۹)
بے شک اللہ تعالیٰ نے عمر فاروق کے زبان و دل پر حق کو جاری کر دیا۔

○ لَوکَانَ بَعْدِی نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَر۔ (ایضاً)
اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

○ قَالَ رسول الله صلی الله علیه وسلم رأیتُ کأنی اتیتُ بقدح لبن فشربتُ منه فاعطیت فضلی عمر بن الخطاب قالوا فما اولته یارسول الله قال العلم۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۱)
رسول کریم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اس سے پیا اور جو باقی بچا عمر بن خطاب کو دے دیا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی۔ آپ نے فرمایا "علم"۔

حضرت علی نے فرمایا۔

○ ما کنا نبعد ان السکینة ینطق علی لسان عمر۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۸۶)
ہم یہ مستبعد نہیں جانتے تھے کہ سکینہ عمر کی زبان پر بولے۔

○ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں۔

"اللہ کی کتاب کے علم کو عمر ہم سب سے زیادہ جانتے تھے اور اللہ کے دین کے معاملہ میں ہم سب سے فقیہ تھے۔ ترازو کے ایک پلّے میں عمر کا علم اور دوسرے میں ساری دنیا کا علم رکھا جائے تو عمر کے علم کا پلّہ بھاری رہے گا۔ (تاریخ العرب۔ ڈاکٹر محمد اسعد ج ۳ صفحہ ۹۴)

○ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا۔

ماراُیتُ احـد اقط بعـد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حین قُبض احدٌ ولا اُجودُ من عُمر" (تاریخ الخلفاء ص۸۶)

رسول اللہ کے بعد ہم نے کسی شخص کو عمر سے زیادہ ذکی ذہین اور سخی نہیں پایا۔

○ حضرت عائشہ صدیقہ۔

کان واللہ احوذ یا نسیج وحدہٗ۔ (ایضًا)

بخدا عمر انتہائی سریع الفہم اور ہر کام تنہا کرنے کی ہمت رکھنے تھے۔

○ ابن مسعود۔

اِذا ذکرالصالحون فحیھلا بعُمر۔

جب نیک لوگوں کا ذکر کیا جائے تو ضروری ہے کہ ان میں فاروق کا ذکر کیا جائے۔

○ اِن عُمر کان اَعلمنا بکتاب اللہ و اَفقہنا فی دین اللہ تعالیٰ۔ (ایضًا)

آپ سب سے زیادہ کتاب اللہ کے عالم اور دین خدا کے فقیہ تھے۔

○ قال یطلع علیکم رجل من اھل الجنۃ فاطلع ابوبکر ثم قال یطلع علیکم رجل من اھل الجنۃ فاطلع عُمر۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس ایک جنتی آرہا ہے۔ پس حضرت ابوبکر تشریف لائے پھر فرمایا تمہارے پاس ایک جنتی آرہا ہے تو حضرت عمر تشریف لائے۔

حضرت عمرؓ شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتے تھے اسلام کے بعد انہوں نے شاعری ترک کردی تھی مگر فطری ذوق سخن ہنوز زندہ تھا۔ اشعار کے سلسلے میں ان کی ناقدانہ رائیں بڑی ٹھوس ہوا کرتی تھیں وہ اچھے اشعار کا یاد رکھنا ضروری خیال کرتے تھے چنانچہ ایک موقع پر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے کہا:

"اپنا حسب و نسب اچھی طرح یاد رکھا کرو تاکہ عزیزوں سے تعلقات استوار رکھ سکو۔ اور اچھے شعر یاد رکھا کرو۔ تمہارا ادب نکھر جائے گا۔ اس لئے کہ جو اپنا حسب و نسب نہیں جانتا وہ صلۂ رحمی نہیں کر سکتا اور جس نے اچھے شعر یاد نہیں رکھے وہ نہ کوئی حق ادا کر سکتا ہے اور نہ کوئی ادب سیکھ سکتا ہے۔"

(عربی ادب کی تاریخ ج ۲ صـ ۹۸)

حضرت عمر بلند پایہ خطیب اور شیریں مقال مقرر تھے ان کے مؤثر خطبات جہاں حق و صداقت اور تدبر و سیاست کا گراں قدر نمونہ ہیں وہیں ادب و بلاغت کا شاہکار بھی ہیں۔ خلافت کے بعد جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ اوپر گذر چکا ہے۔

خطبات کے علاوہ مکاتیب میں بھی فصاحت و بلاغت کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام مرقوم خط کے چند جملے ملاحظہ ہوں۔

فإن القوّة فی العمل ان لا تؤخروا عمل الیوم لغد فانکم إذا فعلتم ذلك تدارکت علیکم أعمالکم فلم تدروا أیّها تاخذون فاضعتم۔	عمل کی مضبوطی یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ ٹالو ایسا کروگے تو تمہارے پاس بہت سے کام جمع ہو جائیں گے۔ پھر پریشان ہو جاؤ گے کہ کس کو کریں اور کس کو چھوڑیں اس طرح کچھ نہ ہو سکے گا۔

(رسائل عمر صـ ۱۵)

فقہ واجتہاد

فضائل و مناقب عمر میں جو احادیث اور اقوال سلف اوپر گذرے ہیں ان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا علمی پایہ کتنا بلند تھا۔ فراست و عقل، شعور نبوت سے کس درجہ قریب

تھی آپ کی اصابت فکر کا یہ عالم تھا کہ بقول عبداللہ بن عمرؓ بعض امور میں حضرت عمر اور تمام لوگوں کی رائے میں اختلاف ہوتا تو قرآن شریف حضرت عمر کے قول کے مطابق نازل ہوتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۷)

خود حضرت عمر نے ارشاد فرمایا۔

وافقتُ ربّي في ثلٰث قلتُ یارسول الله صلی الله علیه وسلم لو اتخذنا من مقام ابراهیم مصلّٰی فنزلت "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" وقُلتُ یارسول الله یدخل علیٰ نسائك البرّ والفاجر فلو امرتَهُنّ یحتجبن فنزلت اٰیة الحجاب واجتمعت نساء النبي في الغیرة، فقلت عسیٰ ربه ان یطلقکن ان یبدله ازواجًا خیرًا منکن فنزلت کذلك۔ (صحیحین بحوالہ تلخیص الصحاح ج ۵ ص [illegible])

میں تین باتوں میں اپنے رب سے موافق ہوا میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیں تو یہ آیت نازل ہوئی اور تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ اور میں نے کہا یا رسول اللہ نیک و بد ہر قسم کے لوگ امہات المؤمنین کے پاس آتے ہیں، آپ انہیں پردہ کا حکم دے دیں تو آیت پردہ نازل ہوئی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج غیرت میں جمع ہوئیں تو میں نے کہا کہ اگر نبی ان کو طلاق دے دیں تو ان کا رب ان کو ان سے بہتر بیویاں بدلے میں عطا کرے گا۔

اسیران بدر کے معاملے میں رسول اللہ نے اصحاب سے مشورہ طلب کیا تو حضرت عمر نے سب کو تہ تیغ کر دینے کی رائے دی۔ لیکن حضرت ابوبکر کی رائے پر ان سب کو زر فدیہ پر رہا کر دیا گیا تو یہ آیت کریمہ حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوئی۔

لولا کتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم ۝ (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۱)

اگر خدا کا لکھا پہلے سے موجود نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر تم کو بڑا عذاب ہوتا۔

شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی اس لئے پہلے قرآن میں شراب کی مضرت بیان کی گئی پھر نشہ کی حالت میں نماز سے روکا گیا۔ حضرت عمر نے دعا فرمائی الٰہی شراب کے بارے میں ہمارے لئے حکم شافی بیان فرما پھر شراب کے بارے میں حکم تحریم نازل ہوا ۔ (ایضاً)

اسلامی شریعت کے بنیادی اصول قرآن وسنت میں موجود ہیں مگر تمدن کی وسعت وہمہ گیری کی وجہ سے بعد میں بہت سے ایسے مسائل پیدا ہوئے جن کی صراحت قرآن وحدیث میں موجود نہ تھی ایسے موقعہ پر قیاس واجتہاد سے کام لینا ناگزیر تھا۔ حضرت عمر کا عہد خلافت حدود سلطنت کی وسعت مختلف النوع اقوام وقبائل کی دائرۂ اسلام میں شمولیت کے لحاظ سے اہم تھا۔ اس لئے اس دور میں گوناگوں مسائل پیدا ہوئے چنانچہ ان مسائل میں شرعی احکام جاننے کے لئے قیاس واجتہاد کی ضرورت پیش آئی اور آپ نے اس سلسلہ میں پوری دیانت کے ساتھ مسائل کا استنباط واستخراج فرمایا۔ اولاً وہ ان مسائل کے لئے صحابہ کی مجلس منعقد فرماتے۔

کان من سیرۃ عمر انہ کان یشاور الصحابۃ ویناظرھم حتی تنکشف الغمۃ ویاتیہ الثلج فصار غالب قضایاہ وفتاواہ متبعۃ فی مشارق الارض ومغاربھا ۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج۱ ص۳۱۵)	حضرت عمر کا یہ طریقہ تھا کہ صحابہ سے مسائل فقہیہ کے متعلق مشورہ ومناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے دل میں یقین واطمینان کی کیفیت پیدا ہوجاتی یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا میں ان کے فتاوے کی پیروی کی گئی ۔

مسائل کے جزئیات اور امور شرعیہ میں جہاں وہ خود مسائل کا استنباط فرماتے وہیں اپنے اہل علم قضاۃ کو بھی قیاس واجتہاد سے کام لینے کی تاکید فرماتے قاضی شریح کے نام لکھا۔

" خدا کی کتاب میں جو فیصلہ تم کو ملے تو اس کو بلا تردد اختیار کرلو اور جب

کوئی فیصلہ وہاں نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کرو اگر وہاں بھی نہ ملے تو اپنے اجتہاد سے کام لو۔ اس کے علاوہ عدالت میں نہ کسی سے لڑو نہ جھگڑو نہ کوئی چیز خریدو نہ بیچو۔" (رسائل عمر ص۸۹)

حضرت عمر کے زمانے میں بکثرت مسائل پیدا ہوئے اور انہوں نے فقہ کے مختلف شعبوں میں کثرت سے فیصلے فرمائے یا احکام صادر کئے یا مسائل مستنبط کئے اگر ان تمام کو یکجا کردیا جائے تو علم فقہ کے ابواب پر مشتمل ایک کتاب بن سکتی ہے۔ استنباط مسائل کے باب میں آپ نے ایک شاہراہ قائم کردی تھی جس کے رمز شناس گروہ صحابہ میں صرف چند ہی اصحاب تھے۔

حضرت عمر مسائل شرعیہ میں مصالح اور وجوہ پر غور کیا کرتے تھے اور اگر کوئی مسئلہ ان کے نزدیک خلاف عقل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے۔ سفر میں قصر نماز کا حکم دیا گیا جس کی وجہ ابتداء میں دشمنوں کا خطرہ اور صعوبت راہ تھی۔

فلیس علیکم جناحٌ ان	تم پر کوئی گناہ نہیں کہ بعض نمازیں
تقصروا من الصلوٰۃ إن خفتم	قصر سے پڑھو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ کافر
ان یفتنکم الذین کفروا	تمہیں ایذا دے دیں۔

(النساء ۱۰۱)

لیکن جب اسلام غالب آگیا۔ عرب کے راستے مامون ہوگئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا حضرت عمر کو اس پر استعجاب ہوا تو آں حضرت سے پوچھا اب سفر میں نماز کیوں قصر کی جاتی ہے؟ فرمایا یہ خدا کا انعام ہے۔

اسلام ایک روح اور ایک عقیدہ ہے اور انسان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس روح کو نہ پہچانے جو اللہ نے دین حق کے ساتھ اپنے رسول کی طرف وحی کی تھی اسی لئے وہ احکام قرآنی کو اسی روح کے ساتھ منطبق کرتے جس روح کے ساتھ یہ احکام نازل کئے گئے تھے۔

عربوں کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا جس کے افراد اپنی قوم کے سردار تھے اللہ تعالیٰ نے صدقات میں ان کا حصہ مقرر کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے دلوں کی تالیف اور ایمان کے استحکام کے لئے ان کا حصہ انہیں دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں مولفۃ القلوب کہا جاتا ہے قرآن نے ان کی عطا کا حکم ان الفاظ میں دیا ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمولفۃ القلوب۔ الخ

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات پر مامور ہیں اور ان کے لئے جن کی تالیف قلوب منظور ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا یہ حصہ غنیمت اور زکوٰۃ میں سے عطا فرماتے تھے یہ عطیے ابوسفیان، اقرع بن حابس، عباس بن مرداس، صفوان بن امیہ اور عیینیہ بن حصن کو ملتے تھے اور ان کی تعداد سو اونٹ فی کس تھی۔

حضرت ابوبکر نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان عطیوں کو برقرار رکھا۔ اقرع بن حابس عیینیہ بن حصن خلیفہ اول کے پاس حاضر ہوئے اور زمین کا مطالبہ کیا۔ آپ نے ان کے لئے زمین کا تحریری حکم عطا فرما دیا۔ جب حضرت عمر سریر آرائے خلافت ہوئے تو یہ دونوں بزرگ بارگاہِ فاروقی میں حاضر ہوئے اور حکم نامہ کے نفاذ کا مطالبہ کیا حضرت عمر نے اس حکم نامہ کو چاک کر دیا اور کہا۔

" اللہ نے اسلام کو سربلند اور تم سے بے نیاز کر دیا ہے یا تو تم مضبوطی سے اسلام پر قائم ہو جاؤ ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہوگی"۔

اور زکوٰۃ میں سے جو حصہ اس گروہ کو دیا جاتا تھا اسے ممنوع قرار دے کر ان لوگوں کو بھی عام مسلمانوں کے زمرے میں شامل کر دیا ــــ نص قرآنی کی تطبیق میں یہ حضرت عمر کا اجتہاد ہے اور بلاشبہ ایسا اجتہاد ہے جس کی توفیق انہیں خدا کی طرف

سے عطا کی گئی تھی۔ عربوں کے اس گروہ کو تحریر اس وقت دی گئی تھی جب اسلام کو ان کی دوستی کی ضرورت تھی لیکن اسلام کی سربلندی کے بعد یہ ضرورت ساقط ہو گئی اور عطاء و بخشش کے لئے کوئی وجہ جواز باقی نہ رہی۔

اسی نوع کے بے شمار فقہی، سیاسی، سماجی اور ملکی مسائل میں حضرت عمر کے اجتہادات موجود ہیں جن سے بعد کے فقہاء اسلام نے مسائل کے استنباط و استخراج میں روشنی حاصل کی۔ انہوں نے فقہ میں وہ اصول و نظریات مقرر کئے جنہیں بعد میں آنے والوں نے اپنا مدار عمل بنایا ان میں سے اکثر اصول مہتم بالشان اثر رکھتے ہیں چنانچہ وہ آج تک اسلامی فقہ اور اس کے علاوہ دوسرے قوانین کو عمومی حیثیت سے شامل ہیں انہیں اصولوں میں سے ایک ضرورت کا اصول ہے۔

حدیث کتب احادیث و سیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بابت ایسی روایتیں ملتی ہیں جن میں آپ نے کثیر الروایہ اصحاب کو عام طور پر حدیث کی نقل و روایت سے روک دیا تھا۔ منکرین حدیث نے حضرت عمر کے ان چند اتنا عی احکامات کو بنیاد بنا کر اپنے مزعومات کی دلیل بنا لیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر حدیث کو دین یا دین و شریعت کی اساس نہ سمجھتے تھے۔

کثرت روایت سے روکنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ حضرت عمر حدیث و سنت کو مصدر شریعت نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ جس کثرت سے روایتیں نقل کی جائیں گی ان میں اتنا ہی اختلاط و آمیزش کا امکان بڑھ جائے گا اور اسلام دشمن عناصر نے اس طرز کو اپنا کر غلط روایتوں کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کرنا شروع کر دیا تو دین کا یہ ذخیرہ بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔

وقد كان عمر من اجله ان يخطى صاحب على رسول الله صلى الله عليه وسلم يامرهم ان يقلوا

حضرت عمر اس اندیشہ کے پیش نظر کہ صحابہ حضور سے حدیث کی نقل روایت میں غلطی نہ کریں ان کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ

الروایۃ عن نبیّھم۔ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کریں۔
(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۷)

حضرت عمر کا اقدام نہی عن الروایت بغرض صیانت و حفاظت تھا نہ کہ وہ اس سرچشمہ کو بند کرنا چاہتے ہوں، چنانچہ آپ نے خود بھی حدیث کی روایت کا حکم دیا۔
قیس بن عباد کہتے ہیں۔

سمعتُ عمر بن الخطاب یقول میں نے عمر بن خطاب کو فرماتے سنا کہ جس
من سمع حدیثًا فاداہ کما سمع نے حدیث سنی اور جو کچھ سنا تھا اسی کو بعینہٖ ادا
فقد سلم۔ (جامع البیان ج ۲ ص۱۲۳) کردیا تو محفوظ ہو گیا۔

حضرت عمر خود حدیثیں بیان کرتے تھے چنانچہ ان کی مرویات کی تعداد کتب احادیث میں ۵۳۷ ہیں۔

وہ احادیث و سنت کو دین کی بنیاد اور مسائل شرعیہ کا اساسی مصدر تسلیم کرتے تھے قرآن کے بعد احادیث سے مقدمات کے فیصلے کرتے اور دوسروں کو احادیث سے احکام و مسائل کی تخریج کا حکم دیتے تھے جیسا کہ فقرہ اجتہاد کے ذیل میں قاضی شریح کے نام ایک مکتوب کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت عمر احادیث کے مل جانے پر اپنے قیاسی فیصلے تبدیل کردیتے اور حدیث سے مستنبط حکم کو بلا تامل تسلیم کرلیتے چنانچہ ایک بار ایک مجنونہ زانیہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا حضرت علی کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے "تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ سونے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے، بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے، مجنون جب تک صحیح نہ ہو جائے"۔
یہ حدیث سن کر حضرت عمر نے عورت کو چھوڑ دیا اور حد جاری نہ کی (المحدث الفاصل ۳۶۶)

حدیث کے سلسلے میں حضرت عمر کا جو اہم کام ہے وہ یہ کہ آپ نے اس ذخیرہ کی تلاش و جستجو کی طرف خاص توجہ دی۔ فتوحات کی کثرت نے سیکڑوں نئے مسائل پیدا کردئے جن کے حل کے لئے احادیث کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی تاکہ یہ

مسائل رسول اللہ کی احادیث کی روشنی میں حل کئے جائیں، چنانچہ جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا اور اس کا حل قرآن میں نہ ہوتا تو حضرت عمر مجمع عام میں کھڑے ہو کر پکارتے اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے۔ احکام و مسائل سے متعلق احادیث کی اشاعت کے لئے حضرت عمر نے مؤثر تدابیر اختیار کیں۔ چنانچہ احادیث نبوی کو نقل کر کے اضلاع کے حکام کو بھیجتے تھے۔

صحابہ میں جو لوگ علم حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ روایات کی چھان بین اور جرح و تعدیل کی ابتداء کی۔ جو حدیث کسی ایک راوی کی ہوتی اس کی تصدیق کے لئے عموماً شہادت طلب کرتے۔

حضرت عمر سے احادیث کی روایت کرنے والے راویان حدیث یہ ہیں۔

صحابہ:۔ عبداللہ، عاصم، حفصہ، عثمان، علی، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، شیبہ بن عثمان، اشعث بن قیس، جریر بجلی، حذیفہ بن الیمان، عمرو بن عاص، معاویہ، علی بن حاکم، حمزہ بن عمرو سلمی، زید بن ثابت، سفیان بن عبداللہ ثقفی، عبداللہ بن انیس جہنی، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عقبہ بن عامر جہنی، فضالہ بن عبید، کعب بن عجرہ، سعد بن مخرمہ، نافع بن عبدالحارث ابو امامہ، ابوقتادہ انصاری، ابوہریرہ، ابوموسیٰ اشعری، عائشہ صدیقہ، انس، جابر، براء بن عازب، نعمان بن بشیر۔

تابعین:۔ عمرو بن میمون اذدی، اسلم مولیٰ عمر، سعید بن مسیّب سوید بن غفلہ، قاضی شریح، عابس بن ربیعہ، عبدالرحمٰن بن عبدالقاری، عبید بن عمیر لیثی، ارحمہ بن وقاص لیثی، ابومیسرہ، عمرو بن شرجیل، قیس بن ابی حازم، معدام بن ابی طلحہ، ابوتمیم جیشانی، ابوعبید مولیٰ بن ازہر، ابوالعجفہ سلمی، ابوعثمان ہندی۔

(تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۸۶)

اخلاق وعادات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل تھا اس لئے وہ خوش نصیب لوگ جنہیں رسول گرامی کا فیض صحبت میسّر آیا وہ بھی پسندیدہ اخلاق کا مظہر بن گئے۔ اصحاب رسول میں حضرت عمر کو ذات رسالت سے جو تقرب اور ہم نشینی کا جو شرف حاصل ہوا اس نے ان کے دامن حیات کو اخلاق نبوی کے دُر و جواہر سے مالا مال کر دیا۔ فاروق اعظم محامد و محاسن اخلاق کا پیکر مجسم تھے اُنہوں نے عوام و عمال کے اخلاقی معیار کو بلند کرنے کی پوری کوشش کی چنانچہ جو لوگ آپ سے جس قدر قریب تھے اتنے ہی معیار اخلاق کے لحاظ سے بلند تھے۔

فاروق اعظم کے آئینۂ اخلاق میں خشیت الٰہی، پرہیزگاری، تقویٰ، خشوع اخلاص، حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی، تواضع، سادگی کا کامل عکس تھا۔

خشیت الٰہی پختگی اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے جس سے آپ کو حظ وافر ملا تھا خوف خدا سے لرزتے رہتے تھے پوری پوری رات خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے۔ نمازوں میں عام طور پر وہی سورتیں تلاوت فرماتے جن میں خداوند تعالیٰ کی عظمت وجلال اور قیامت کا تذکرہ ہوتا جن کے اثر سے آپ پر گریہ طاری ہو جاتا۔

اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔ ایک بار نماز میں اس آیت پر پہونچے "ان عذاب ربك لواقعٌ مالهٗ من دافع" سورۃ (طور) تو اس قدر روئے کہ آنکھیں سوج گئیں۔

حُبِّ رسول نفس کی تہذیب اور پسندیدہ اخلاق سے مزین ہونے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ مبداء خلق عظیم کی محبت اور اتباع رسول

کا سچا جذبہ ہو، جو دل حب رسول سے خالی ہے وہ ایمان و اخلاق سے عاری ہے رسول اکرم کی محبت دنیا و ما فیہا کی محبت پر غالب تھی چنانچہ غزوۂ بدر میں اپنے ماموں کو جو کفار مکہ کی طرف سے لڑنے آئے تھے اپنی تلوار سے قتل کر ڈالا۔

رحلت رسول کا آپ کو یقین نہ آتا تھا آپ پر ایسی بے خودی طاری ہو گئی تھی کہ مسجد نبوی میں اعلان کر رہے تھے کہ جو اپنی زبان سے یہ کہے گا "میرے محبوب آقا دنیا سے اُٹھ گئے تو اس کا سر اُڑا دوں گا۔ مسجد اقصیٰ میں جب حضرت بلال نے وفات رسول کے دس سال بعد اذان دی تو عہد رسالت نگاہوں کے سامنے آگیا اور اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

رسول گرامی کے ساتھ والہانہ عشق کا یہ عالم تھا کہ آں حضور کے تمام قرابت داروں اور متعلقین سے حد درجہ الفت رکھتے اور انہیں ہر معاملہ میں مقدم جانتے۔

حضور کے چہیتے غلام زید بن حارثہ کے فرزند اسامہ کا وظیفہ اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ نے تعرض کیا تو فرمایا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ مدائن کے مال غنیمت کی تقسیم میں حسن و حسین کو حضرت عبداللہ سے دو گنا دیا۔ عبداللہ نے کہا جب یہ دونوں بچے تھے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہا۔ حضرت عمر نے فرمایا ہاں لیکن ان کے بزرگوں کا جو مرتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے۔

فاروق اعظم کے دستور حیات کا سب سے زریں باب اتباع رسول تھا۔ وہ کھانے پینے، لباس و وضع، نشست و برخاست ہر معاملہ میں اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی تھی اس لئے حضرت عمر نے عرب و عراق، ایران و شام کی شہنشاہی ملنے کے بعد بھی فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دی۔ فتوحات کی کثرت مدینہ میں زر و جواہر کی بارش کر رہی تھی۔ لوگ مرفع الحال ہو گئے تھے مگر حضرت عمر رسول اکرم کے نقش قدم کی پیروی ہی میں لگے رہے ایک مرتبہ حضرت حفصہ نے کہا آپ کو نفیس غذا اور نرم کپڑے سے

پرہیز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت عمر نے جواب دیا جان پدر تم رسول اللہ کی طرز معیشت کو بھول گئیں۔ خدا کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوش حالی نصیب ہو۔

ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے جب عمدہ کھانے لائے گئے تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادۂ مستقیم سے منحرف کر دے گا۔

زہد و قناعت حرص و طمع ذمائم اخلاق کی بنیاد ہے حضرت عمر کو حرص و طمع سے طبعی نفرت تھی زہد و قناعت کے میدان میں آپ اپنے معاصرین سے بہت آگے تھے چنانچہ حضرت ابو طلحہ فرماتے تھے۔ قدامت اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن الخطاب پر فوقیت حاصل ہے لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

مسند آرائے خلافت ہونے کے بعد سے ایک مدت تک بیت المال سے کچھ نہ لیا اور جب لوگوں نے سادہ گذر اوقات کے لئے تنخواہ مقرر کرنی چاہی تو فرمایا اس شرط پر منظور کرتا ہوں کہ جب میری حالت درست ہو جائے گی لینا بند کر دوں گا کنبہ بڑا ہونے کے باوجود روزانہ بیت المال سے دو درہم لیا کرتے تنگی و عسرت سے زندگی بسر کیا کرتے۔ کپڑوں پر پیوند پر پیوند لگاتے جاتے عموماً ایک ہی کپڑا ہوتا جسے خود ہی دھو دھو کر پہنا کرتے۔ آپ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑوں سے مس نہیں ہوا بارہ بارہ پیوند لگا کرتا، سر پر پھٹا عمامہ، پاؤں میں ٹوٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں اسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے اقلیم زہد و قناعت کے تاج دار کو دنیاوی عیش و تنعم سے کوئی علاقہ نہ تھا غذا سادہ تھی عموماً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا۔

تواضع وہ باعظمت کشور کشا شہنشاہ جس کے رعب و سطوت سے قیصر و کسریٰ

کے ایوانِ حکومت میں لرزہ پڑجاتا تھا اس کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ مسجد کے گوشہ میں فرشِ خاک پر بے تکلف لیٹا رہتا تھا۔ سرہانے سنگ ریزوں سے بھری جھولی کا تکیہ ہوتا۔ اپنے وقت میں دُنیا کی سب سے بڑی حکومت کا تاجدار مدینہ منورہ کے مجاہدین کی بیویوں کا سودا بازار سے خرید کر لاتا۔ دوشِ مبارک پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لئے پانی بھرتا۔ سفر میں شاہانہ کروفر نہ ہوتا عام مسافروں کی طرح چند آدمی رفیق سفر ہوتے فرشِ خاک بستر ہوتا۔ درخت کا سایہ شامیانہ۔ سفرِ شام میں جب لوگوں نے بیش قیمت لباس اور عمدہ گھوڑے پیش کئے اور کہا عیسائیوں کے سامنے معمولی حالت میں جانا اچھا نہیں۔ ارشاد فرمایا خدا نے ہمیں جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے۔ وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

لُطف و کرم

آپ کی تندخوئی مشہور ہے لیکن آپ کا غضب و رحم سب خدا کے لئے تھا اس میں ذاتیات کو دخل نہ تھا آپ سخت گیر ضرور تھے لیکن رحم و مروت کا پیکر بھی تھے آپ کی رقت قلب کا یہ عالم تھا کہ کسی کی تکلیف نہ دیکھ سکتے تھے۔ عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی تمام عربی غلاموں کو آزاد کرکے یہ قانون نافذ کردیا کہ اہلِ عرب کسی کے غلام نہیں ہوسکتے۔ مجاہدین کے آقا و غلام دونوں کی تنخواہیں برابر رکھیں۔ فرمایا کرتے۔ جو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے کو عار سمجھتے ہیں خدا ان پر لعنت کرتا ہے

جب مدینہ منورہ میں قحط سالی کا پُرآشوب دور آیا تو آپ کی بے قراری کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ بیٹے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو خفا ہو کر فرمایا۔ قوم فاقہ مست ہے اور تم اپنے کام و دہن کو شادکام کر رہے ہو۔ لوگوں کو گرسنگی و فاقہ مستی سے بچانے کے لئے ایران و شام کے امراء سے غلہ طلب کیا جب تک قحط رہا آپ ہر قسم کے عیش و لطف سے اجتناب کرتے رہے۔

عراق و عجم کے معرکہ میں حضرتِ نعمان بن مقرن اور دوسرے مسلمانوں کی شہادت کا واقعہ سن کر زار و قطار روتے تھے۔ مال غنیمت آیا تو واپس کردیا کہ مجاہدین اور

شہداء کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے۔

آپ نے غرباء و مساکین کے روزینے مقرر کر دئے تھے۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ آپ کے لطف و کرم کا برتاؤ مثالی تھا ان کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔

لوگوں کی خطاؤں پر عفو و درگذر سے کام لیا کرتے تھے چنانچہ حُر بن قیس اور عیینہ بن حصین حاضر خدمت ہوئے تو عیینہ نے کہا آپ انصاف سے حکومت نہیں کرتے ہیں، حضرت عمر بہت غضب ناک ہوئے حُر بن قیس نے کہا امیر المؤمنین قرآن مجید میں آیا ہے:" خذ العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاھلین ہ یہ شخص جاہل ہے اس کی بات کا خیال نہ کیجئے۔ اس بات سے حضرت عمر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور قائل کو معاف کر دیا۔

خانگی زندگی اور اہل و عیال

آپ کبھی بھی بڑے دولت مند نہ تھے پھر بھی راہ خدا میں خرچ کرنے میں بڑے فیاض واقع ہوئے تھے۔ ایک بار ایک سائل نے اپنی بے چارگی ظاہر کی پاس کچھ نہ تھا اپنا کرتا اتار کر اسے دے دیا۔ مساوات کا حد درجہ خیال رکھتے۔ عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتے فرق و امتیاز کی کوئی علامت نہ رکھتے اسی لئے جب روم و ایران کے سفراء آتے تو انہیں امیر المؤمنین کا پتہ لگانا دشوار ہو جاتا کہ ان مسلمانوں میں کون ان کا امیر ہے۔ بڑے غیور واقع ہوئے تھے۔

حضرت عمر نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کئے۔

زینب بنت مظعون (عہد جاہلی میں) حضرت عبداللہ اور حفصہ انہیں کے بطن سے ہیں۔

قریبہ بنت ابی امیہ مخزومی ″ یہ مسلمان نہ ہوئی ۶ھ میں اس کو طلاق دے دی۔

ملیکہ بنت جرول خزاعی ″ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے طلاق دے دی۔ عبیداللہ ان کے بطن سے ہیں۔

جمیلہ بنت عاصم بن ثابت انصاری (عہد اسلام میں) ان سے عاصم پیدا ہوئے انہیں بھی طلاق دی۔

ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب ۔۔۔ ۱۷ھ میں چالیس ہزار مہر پہ نکاح ہوا۔
ام حکیم بنت حارث مخزومی
عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نوفل
فکیہہ یمینیہ

صاحبزادے ۔ عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابو شحمہ، عبدالرحمٰن، زید، مجیر ہیں۔
صاحبزادیاں ۔ حضرت حفصہ (ام المؤمنین)

اولیات عمر

مورخین نے حضرت عمر کے اوّلین کارناموں کو اولیات کے نام سے تحریر کیا ہے یہاں اختصار کے ساتھ ان کی فہرست درج کی جاتی ہے۔
بیت المال کا قیام، عدالتوں کا قیام، قاضیوں کا تقرر، تاریخ و سنہ ہجری کا اجراء، امیر المومنین کا لقب، زمین کی پیمائش، نہروں کا اجراء، شہروں کی آباد کاری، ممالک مفتوحہ کو ضلعوں اور صوبوں میں تقسیم کرنا، مردم شماری، دفتروں کا قیام۔
مال تجارت پر محصول درآمد عُشر مقرر کیا، حربی تاجروں کو اسلامی ممالک کے اندر آنے اور تجارت کرنے کی اجازت، مجرموں کے لئے جیل خانہ قائم کیا، راتوں میں گشت کر کے رعایا کا حال معلوم کرنا، محکمۂ پولیس کا قیام، فوجی چھاؤنیوں کا قیام، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے لئے سرائیں اور کنویں تعمیر کرائے۔
پرچہ نویسوں کا تقرر، باجماعت نماز تراویح کا نظم، قیام مکاتیب معلمین کے مشاہروں کا تعین، قیاس کا اصول قائم کیا، فرائض میں عول کا

مسئلہ ایجاد کیا ، فجر کی اذان میں "اَلصَّلوٰۃ خیرٌ مِّن النَّوم" کا اضافہ ، شراب کی حد اسّی درے مقرر کی ، دُرّے کا استعمال ، تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی ، نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا ، وقف کا طریقہ ایجاد کیا ، امام و مؤذن اور ملکی خدمت گاروں کی تنخواہیں مقرر کیں ، ہجو کہنے پر تعزیر مقرر کی ، اشعار تشبیب کہنے پر ممانعت ، امہات ولد کی بیع سے روکا ، اصول خراج ، صیغہ عدالت ، فوجی نظم ، سرکاری و فوجی متعلقین کے مشاہرے ، شعبۂ احداث ، سکّے ۔

(ابن خلدون ج ۴ صفحہ ۱۹۴)